ارفع الدرجات
مع
تشریح تحقیقات
تحقیقات
شیخ الحدیث علامہ قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مکتبہ امام احمد رضا

نام کتاب: ارفع الدرجات مع تشریح تحقیقات

مصنف: شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی

کمپیوٹر گرافکس: حافظ محمد اسحاق ہزاروی

طباعت: ستمبر 2012

قیمت: -/170 روپے

ناشر: مکتبہ امام احمد رضا کری روڈ شکریال راولپنڈی

E.mail:Mehrul.uloom@yahoo.com

0321-5098812

ملنے کے پتے

- اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی
- احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی
- شبیر برادرز اردو بازار لاہور
- مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور
- مکتبہ غوثیہ یونیورسٹی روڈ کراچی
- مکتبہ فیضان سنت واہ کینٹ

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائے کلام:

اللہ تعالیٰ کا ان گنت شکر گزار ہوں جس نے مجھے اپنی وحدانیت پر ایمان لانے اور شرک سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائی۔ نہ ہی مجوسیوں کی طرح دو خدا مانتا ہوں اور نہ ہی مشرکین کی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود مانتا ہوں۔ اسی کے فضل و کرم سے یہ حاصل ہوا کہ تمام انبیاء کرام معصوم ہیں اور کسی شخص کو جو نبی نہ ہو انبیاء کرام کے برابر ماننے کے عقیدۂ باطلہ سے دور ہوں۔

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سید الانبیاء، افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے پر پختہ اعتقاد ہے۔ سب سے پہلے رب تعالیٰ نے نور مصطفیٰ کریم ﷺ کی تخلیق فرمائی اس کے بعد باقی مخلوق کی تخلیق فرمائی۔ اللہ کے نیک بندوں کو رب تعالیٰ فضل سے وہ مقام حاصل ہے کہ آخرت میں وہ خوف و حزن سے پاک ہیں اور دنیا میں رب تعالیٰ کی تجلیات میں محو ہو کر خوف و حزن کا بار خاطر نہیں سمجھتے۔ اور علماء کرام کو انبیاء کرام کے وارث ہونے کا شرف حاصل ہے۔

یہ منصب اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب شریعت کے مطابق اعتقاد ہو۔ اور اگر مسائل میں اختلاف ہو تو سلف صالحین کے اختلاف کی طرح صرف تحقیق کی حد تک اختلاف ہو۔ وہی اختلاف دوسروں کے علم میں زیادتی کرتا ہے۔ اسی اختلاف کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے " اختلاف امتی رحمۃ" ارشاد فرمایا۔

یہ حدیث میں نے اپنی کتاب شمع ہدایت کے ابتداء میں بھی تحریر کی تو اس وقت بعض چھوکروں نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ میں نے خاموشی سے ان کی طرف سے ملنے والی خبر کو ٹال دیا گویا کہ میں نے سنا ہی نہیں لیکن میں خود مطمئن تھا کیونکہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ضمناً اسے ذکر کر کے اس پر یوں بحث فرمائی:

" قال الخطابی وقد روی عن النبی ﷺ انه قال اختلاف امتی رحمة (فاستصوب عمر ما قاله) قال وقد اعتراض علی حدیث اختلاف

علامہ خطابی نے حدیث قرطاس پر بحث کرتے ہوئے" کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اختلاف درست تھا" فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

امتی رحمة رجلان احدهما مغموص علیه فی دینه و هو عمر بن الجاحظ و الآخر معروف بالسخف والخلاعة وهو اسحاق بن ابراھیم الموصلی"	ہے "اختلاف امتی رحمة" میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ اس حدیث پر دو شخصوں نے اعتراض کیا ہے لیکن دونوں ہی ضعیف ہیں ان کے اقوال باطلہ اور استدلال باطلہ حدیث کو ضعیف نہیں کر سکتے۔ وہ عمرو بن جاحظ اور اسحاق بن ابراہیم موصلی ہیں۔"

لیکن وہ اختلاف جو سب وشتم تک پہنچ جائے وہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔ مسائل میں اختلاف ایک دوسرے سے ہو بھی جائے تو اعتراض وجواب کی شکل میں اس پر تحقیق کی جائے تو وہ مسائل فائدہ پہنچاتے ہیں' دوسرے بھی اس تحقیق کی جستجو میں کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ضمناً کئی اور مسائل بھی حاصل ہوتے ہیں۔

ایک دوسرے کا نام لے کر جب اختلاف کیا جائے تو وہ جنگ وجدال کا سبب بنتا ہے اس سے اجتناب ہی مستحسن کام ہے۔

راقم نے ایک مرتبہ ایک عالم کا نام ذکر کر کے سخت الفاظ لکھ دیئے لیکن خود ہی نادم ہو کر دوسرے ایڈیشن میں اسے کاٹ دیا:

اس کا پس منظر یہ ہے کہ دربارِ عالیہ گولڑہ شریف میں مسئلہ کفو پر خود پیرانِ عظام میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ پیر نصیر الدین گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے اس لڑکی کے ولیوں کی اجازت کے ساتھ جواز کے قائل تھے اور دوسرے حضرات عدم جواز کے۔ استاذ الاساتذہ مولنا حافظ عطاء محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ پیر نصیر الدین رحمہ اللہ کے ساتھ تھے۔ دربارِ عالیہ کے عرسوں کی محافل میں تقریر مفتی عبدالشکور رحمہ اللہ کرتے تھے۔ ایک محفل میں وہ تقریر میں مولنا حافظ عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ کے متعلق یوں فرمانے لگے:

"ایک مولوی ہے جو کہتا ہے میں نے حضورِ اعلیٰ سے بیعت کی' پھر بابو جی

سے' پھر لالہ جی سے لیکن وہ پیر کی بات نہیں مانتا' جو پیر کی بات نہ مانے وہ یہاں بھی مردود ہے آگے بھی مردود۔ لوگ کہتے ہیں: وہ استاذ العلماء ہے' ایک استاذ الملائکہ (ابلیس) بھی تھا۔"

مفتی صاحب کی تقریر کے یہ جملے سنتے ہی میں محفل سے اٹھ کر آ گیا۔ میں اس وقت قدوری کا عربی حاشیہ لکھ رہا تھا۔ اتفاقی امر یہ کہ باب النکاح کا حاشیہ ہی زیر ترتیب تھا، حاشیہ میں مسئلہ کفو لکھتے ہوئے "مفتی عبدالشکور وزیر آبادی" نام لکھ کر سخت الفاظ لکھ دیئے۔ کتاب چھپ گئی' مجھے خود ہی اپنی غلطی پر ندامت ہوئی کہ کسی کا نام لکھ آج تک کسی تحریر میں اس طرح کے سخت الفاظ نہیں لکھے تھے۔ اب یہ غلطی کیوں کی؟ نئے ایڈیشن میں اس عبارت کو نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے' مفتی صاحب کی مغفرت فرمائے' مدارج بلند فرمائے۔

مسئلہ نبوت میں علماءِ اہلِ سنت کا کوئی اختلاف نہیں' اختلاف قائم کر دیا گیا ہے:

استاذی المکرم مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہ ہے:

"رسول اللہ ﷺ کو نبوت اس وقت سے حاصل ہے جب لوح و قلم بھی ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن اسی وقت نبوت علمِ الٰہی میں تھی۔ فرشتوں اور ارواح کے پیدا کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے روح مبارک کو عالمِ ارواح میں فرشتوں اور ارواح انبیاء کا مبلغ و مربی بنا دیا گیا یہ نبوت روحانی آپ کو بالفعل حاصل تھی۔ آپ کی نبوت کو کبھی منسوخ نہیں کیا گیا۔ آپ تا ابد رسول ہیں، یعنی لوح و قلم کی پیدائش سے پہلے سے لے کر آپ کو لازوال نبوت حاصل ہے اس میں انقطاع و انتساخ نہیں۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی نبوت روحانی تو موجود رہی لیکن نبوت جسمانی جس کا تعلق انسانوں تک اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانا ہے وہ نبوت چالیس سال تک بالقوۃ حاصل رہی اور چالیس سال کے بعد آپ کو نبوت جسمانی بالفعل حاصل ہوگئی۔ انسانوں کو تبلیغ نبوتِ جسمانی بالفعل کے ساتھ متعلق

ہے۔ اور روحانی بالفعل کا تعلق ارواح کی تبلیغ سے ہے۔ (جب آپ کی نبوت منسوخ نہیں تو آپ کے وصال کے بعد تبلیغ بواسطہ علماء جاری ہے، یہ علامہ شعرانی کے قول سے راقم نے اخذ کیا ہے)

راقم نے استاذی المکرم کے عقائد کا موازنہ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر) سے کیا ہے، تو برابر پایا کوئی فرق سمجھ نہیں آیا، جو عقائد اکابر علماء کرام کے ہیں وہی استاذی المکرم کے ہیں۔

سوال: جب مولنا محمد اشرف سیالوی صاحب کے عقائد یہ ہیں جو اکابر علماء اہلِ سنت کے ہیں تو آپ کی کتاب تحقیقات کی مخالفت کیوں؟ آپ کو کافر کیوں یا گستاخِ رسول کیوں کہا جارہا ہے؟

جواب: آپ سے اختلاف کرنے والے چند گروہ ہیں:

(۱) پیر نصیر الدین گولڑوی رحمہ اللہ کے مریدین کا اختلاف۔ ان کا اختلاف کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں حضرت مولنا عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ کے عرس پر استاذی المکرم کا ان سے دورانِ تقاریر اختلاف ہوا۔ دونوں بزرگوں کے مشیر بے تدبیر تھے۔ ابتداء پیر صاحب نے کی۔ اپنے رسالہ میں استاذی المکرم کے خلاف سخت الفاظ استعمال فرمائے۔ ادھر استاذی المکرم کو بھی اسی قسم کے مشیر مل گئے آپ کی طرف سے جوابی کاروائی شروع ہوگئی۔

پیروں کے مرید کس طرح بغیر سوچے سمجھے مخالفت کرتے ہیں؟

آیئے! اس کی ایک مثال میں اپنی آپ کو سناتا ہوں: لاہور میں ایک مسجد میں امام تھا وہاں میں نے مسئلہ یہ بیان کیا کہ نوافل بیٹھ کر ادا کریں تو جائز ہے اور کھڑے ہو کر ادا کریں تو زیادہ ثواب ہے کھڑے ہونے والے کو بنسبت بیٹھ کر ادا کرنے والے کے آدھا ثواب حاصل ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ عشاء کے وتر ادا کرنے کے بعد بیٹھ کر نوافل ادا کرنے میں زیادہ ثواب

ہے۔ اگرچہ بعض اہلِ علم نے بھی یہ قول کیا جیسے کتاب "مالابد منہ" میں بھی یہ ذکر ہے لیکن اس کے محشی نے بھی رد کیا اور شروح احادیث میں اسی طرح مسئلہ ہے جیسے میں نے بیان کیا۔ مسجد کے نمازیوں میں سے ایک شخص نے کہا: تم غلط کہہ رہے ہو میرے پیر صاحب کہتے ہیں وتر کے بعد نفل بیٹھ کر ادا کرنا زیادہ ثواب ہے۔ میں نے کہا: بات تمہارے پیر صاحب کی درست نہیں۔ بات تو وہی درست ہے جو فقہ اور احادیث کی کتب میں ہے۔ میرے یہ کہنے پر وہ اتنے مخالف ہوئے کہ وہ میرے خلاف ہو گئے۔ لوگوں میں یہ تاثر قائم کرنے لگے کہ یہ مولوی وہابی ہے پیروں کے خلاف ہے اس کو مسجد نکال دو لیکن ان کو اس میں کامیابی اس وجہ سے حاصل نہ ہوئی کہ میں اسی وقت دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں مدرس تھا' اس محلہ کے بہت لوگ محترم سید ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد تھے' انھوں نے کہا: سید صاحب کے مدرسہ کا استاذ وہابی نہیں ہو سکتا۔

استاذی المکرم کا پیر نصیر الدین رحمہ اللہ کا نام لے کر تحریر میں مخالفت کی وجہ سے پیر صاحب کے معتقدین کی مخالفت کی وجہ تو بہت واضح ہے انھوں نے تو بغیر کسی تحقیق کے کہ کس کی بات صحیح ہے' مخالفت شروع کر دی۔ ادھر پیر صاحب استاذی المکرم کا نام لے کر مخالفت کر رہے تھے۔ استاذی المکرم کے شاگرد اور پیر صاحب کے گھریلو تنازع کی وجہ سے ان کے مخالفین ان کے خلاف محاذ قائم کر بیٹھے۔

نقصان دونوں بزرگ ہستیوں کا ہوا کہ پیر صاحب کو بھی لوگ وہابی کہنے لگے اور استاذی المکرم کو بھی گستاخِ مصطفیٰ کریم ﷺ کا درجہ دے دیا۔

ادھر میں تھا (ہو سکتا ہے کہ کوئی میرے جیسا کوئی اور بھی ہو):

میں مرید تھا حضرت پیر غلام محی الدین المعروف بابو جی ابن سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمھما اللہ کا۔ اپنے پیر و مرشد کے خاندان کے ہر فرد سے محبت و عقیدت رہی۔ آپ کے گھرانے کے اختلاف میں کسی کا فریق تو نہ بنا لیکن اپنے حضرت کے پوتے پیر نصیر الدین رحمہ اللہ کو اپنے دادا جان رحمہ اللہ کا شبیہ سمجھ کر ان کا محب تھا۔ آپ کو دیکھنے کیلئے تقریباً ہر ماہ میں دو مرتبہ گولڑہ شریف حاضری ہوتی رہی۔

پیر صاحب کو جب تک میرے متعلق معلوم نہ تھا:

کہ یہ مدرس بھی ہے اسی وقت تک ملاقات سلام وزیارت تک رہی۔ جب میرے ایک دوست نے آپ کو میرے متعلق کچھ تعارف کرایا تو آپ نے مجھے بذریعہ فون گولڑہ شریف بلایا۔ اور ارشاد فرمایا: تم گولڑہ شریف آجاؤ! میرے بچوں کو پڑھاؤ! میں نے عرض کیا: حضور قریب رہنے سے محبت کم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری دلیل کچی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے قریب رہے لیکن آپ کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

میں نے عرض کیا: حضور ساری دنیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح نہیں ہوسکتی۔ آپ چونکہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے قبلہ بابوجی رحمہ اللہ راولپنڈی مولانا فتح محمد رحمہ اللہ کے پاس پڑھنے کیلئے بھیجتے تھے تاکہ میں پڑھنے میں مشقت برداشت کروں حالانکہ گولڑہ شریف میں میرے پڑھنے کا انتظام مشکل نہ تھا۔ اس لئے آپ اپنے بچوں کو میرے پاس میرے گھر بھیج کر دیا کریں تو میں ان شاء اللہ یہ خدمت بجالاؤں گا۔ کچھ دن اس کے بعد اسی طرح گزر گئے شاید آپ کو مریدین کی کثرت میں گھرے رہنے کی وجہ سے توجہ نہ ہوسکی۔

ایک رات تقریباً ایک بجے فون کی گھنٹی بجی:

آپ نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں رہتے ہو؟ میں نے بتایا کہ میں ایف سکس ون اسلام آباد میں رہتا ہوں۔ پتہ مکمل بتایا' تو آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے! نظام (غلام نظام الدین جامی مدظلہ العالی) کے پاس موٹر ہے وہ تمہارے گھر پڑھنے کیلئے آجایا کرے گا۔ صاحبزادہ صاحب سے وقت طے کرلیا وہ میرے گھر پڑھنے کیلئے تشریف لاتے رہے۔ تقریباً چار سال تک یہ سلسلہ قائم رہا کہ مجھے ان کی خدمت اور زیارت کرنے اور گھر میں خیر و برکت حاصل کرنے کا شرف رہا۔

میں استاذی المکرم مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کی مہربانیوں کو بھی نہیں بھول سکتا:

میں نے دینی تعلیم کا شعبہ کتب میں آغاز دارالعلوم اہلِ سنت و جماعت جہلم سے کیا

جہاں میں نے استاذی المکرم مولانا غلام یوسف گجراتی رحمہ اللہ سے فارسی اور صرف کی کچھ کتب پڑھیں۔آپ محنتی اور شفیق استاذ تھے اس لئے وہ کتابیں مجھے اچھی طرح یاد تھیں۔ پھر ایک سال گولڑہ شریف اور چھ ماہ اسرار العلوم راولپنڈی' جہلم میں اساتذہ مولنا محمد عرفان نوری اور مولنا عبد الاحد اور قاضی غلام محمود رحمہ اللہ اور گولڑہ شریف میں اساتذہ مولنا محب النبی رحمہ اللہ جو مولنا عبد الغفور ہزاروی اور مولنا عطاء محمد بندیالوی رحمہ الہ کے بھی استاذ تھے۔اور مولنا محمد اکرام المعروف ب گل اکرام اور راولپنڈی میں مولنا عبد القدوس اور مولنا قاضی اسرار الحق حقانی رحمہم اللہ تھے۔

والد رحمہ اللہ کی علالت کی وجہ سے بعد میں تین سال تک کھیتی باڑی کرتا رہا' پھر والد صاحب سے پڑھنے کی اجازت طلب کی آپ نے بڑھاپے' علالت' نظر کی کمزوری کے باوجود مجھے پھر پڑھنے کی اجازت دی۔ دینی علوم کا حصول تو آباؤ اجداد سے کئی نسلوں سے آرہا تھا۔ والدین کی دعاء، پیر و مرشد کی نظر عنایت، مصطفیٰ کریم ﷺ کی نظرِ رحمت سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی مہربانی فرمائی کہ میں جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور پہنچ گیا۔ جہاں سید المحققین والمدققین استاذی المکرم مفتی محمد حسین رحمہ اللہ اور رئیس المحققین والمدققین مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی جیسے حضرات کی خدمت میں تعلّم کا شرف حاصل ہوا۔

استاذی المکرم مولنا محمد اشرف سیالوی مدرسہ وقت سے زائد ڈیڑھ گھنٹہ پڑھاتے تھے۔آپ کی محنت اور تعلیم کی محبت کو دیکھ کر میری کلاس کو بھی محنت کی عادت پڑ گئی۔دو سال جامعہ نعیمیہ لاہور میں اور ایک سال سلانوالی ضلع سرگودھا میں آپ کے پاس پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ طلباء نے جب بھی استاذ مکرم سے پڑھنے کی خواہش کی آپ نے اسی وقت پڑھایا، ظہر کے بعد بھی ہماری کلاس نے آپ سے اسباق پڑھے، عشاء کے بعد بھی پڑھے۔

استاذی المکرم کے پاس کوئی خدمت گذاری کی غرض سے بیٹھا تو آپ نے اس سے سبق سنا، کوئی عصر کے بعد سیاحت کیلئے ساتھ چلا تو آپ نے اس سے سبق سنا، یہی وہ استاذی المکرم کی محنت تھی جس سے میرے جیسا شخص جہالت سے نکل کر اہلِ علم کی نظر میں علماء کی صف میں آکھڑا ہوا، ورنہ اب بھی من آنم کہ من دانم۔

یہی وجہ تھی کہ میں کسی کا نہ فریق بنا اور نہ ہی کسی سے سلسلہ محبت وملاقات کا انقطاع ہوا:

پیر صاحب سے بھی ملاقات ہوتی رہی اگرچہ جامی صاحب کو پڑھانے کے سلسلہ میں وقت کی کمی کی وجہ سے ملاقات میں کمی آ گئی۔ استاذی المکرّم سے بھی ہر سال میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملاقات کرتا رہا۔

دونوں حضرات سے ان کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کے بارے میں کبھی کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ خاموشی سے ملاقات کر کے واپس آتا رہا۔ اگرچہ فکرمند رہتا تھا کچھ نتائج سے بھی ڈر رہا تھا۔ جس کا سامنا کرنا ہی پڑا۔

(۲) استاذی المکرّم کا مخالف دوسرا فریق کم علم مقررین کا ہے جن کو مسائل کو سمجھنے، کتب دیکھ کر مسئلہ سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں ہوتی۔ ڈرامہ باز' شور غل کرنے والے مقررین کے سامنے درسی کتب میں سے کوئی کتاب سامنے رکھیں کہ یہ سمجھائیں تو وہ یہ کام بھی نہیں کر سکیں گے۔ ان کا کام تو یہ ہے کہ انھیں کوئی خبر دے کہ کتا تمہارا کان کاٹ کر لے جا رہا ہے وہ کتے کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں انھیں یہ توفیق حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے کان کو ہاتھ لگا کر ہی دیکھ لیں۔

(۳) ایک فریق فتنہ باز آپ کا مخالف ہے' وہ ایک کے نہیں کئی کے مخالف ہیں۔ وہ اپنی کامیابی کا راز دوسروں کو گالی دینا سمجھتے ہیں' جو ان کے مداح ہوتے ہیں وہ بھی ان سے متنفر ہو جاتے ہیں' عوام تو ان کے مخالف ہونے کی وجہ سے سب علماء سے ہی متنفر ہو جاتے ہیں۔

اہلِ علم کی استاذِی المکرّم کی مخالفت کی دو وجہ ہیں:

(۱) استاذی المکرّم کی کتب کا مطالعہ نہ کرنا اور اپنی طرف سے مفروضہ قائم کرنا۔

(۲) دوسری وجہ استاذی المکرّم کی کتاب تحقیقات میں مبہم عبارات جن کی وضاحت نہیں کی گئی اور کچھ ثقیل عبارات۔

پہلی وجہ کی تفصیل یہ ہے:

کہ استاذی المکرّم کی کتب " کوثر الخیرات، تنویر الابصار اور تحقیقات کا تفصیلی اور نظرِ غائر سے مطالعہ نہیں کیا گیا۔ میں نے استاذی المکرّم کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ فرضی نہیں بلکہ آپ کی کتب سے بمع حوالہ جات اپنے رسالہ میں پیش کیا ہے۔ اہلِ علم نے اپنی طرف سے مفروضہ یہ قائم کیا ہے کہ استاذی المکرّم پہلے اپنے عقائد سے منحرف ہو گئے ہیں اور نیا عقیدہ نبی کریم ﷺ کی چالیس سال تک نبوت کو مطلق انکار کو گھڑ لیا ہے۔

یہ مفروضہ قائم کرنے والے کچھ سنجیدہ علماء کرام ہیں جن کی تحریر کو دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ مہذب شخص کی تحریر ہے، اگر چہ استاذی المکرّم کے عقائد ونظریات سمجھنے میں انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ اپنی طرف سے ہی مفروضہ قائم کر دیا کہ آپ اپنی پہلی کتب اور پہلے عقائد سے منحرف ہو گئے، ایسا بہتان سنجیدہ علماء کی شان کے لائق نہیں۔

دوسرے علماء جو میرے نزدیک ہیں تو علماء لیکن ان کی تحریر سے بھی یہی دو چیزیں ملیں اور تیسری چیز مزید یہ حاصل ہوئی کہ ان کی تحریروں کو دیکھ کر یہ کہا: اے اللہ! کیا یہ علماء ہیں یا جہلاء ہیں۔ ان کی دل میں جو قدر تھی یا ان سے اہلِ علم ہونے کی وجہ سے محبت تھی وہ جاتی رہی۔ بعض بزرگوں کا میں مداح تھا' بے تدبیر مشیروں کی وجہ سے ان کے اعتدال سے نکلنے کی وجہ سے مجھے ان سے کنارہ کش ہونا پڑا۔ اگر چہ دل میں محبت اور ان کیلئے دعاء یہی ہے کہ نا اہل مشیروں سے ان کی جان چھوٹ جائے۔

اصل اختلاف کب واقع ہوتا ہے؟

اس وقت اختلاف واقع ہوتا ہے جبکہ کسی کی مخالفت میں فریقین کچھ لکھیں اور اعتدال کو چھوڑ کر شدت اختیار کر لیں یا مسئلہ کی تفصیل نہ بیان کی جائے ایک فریق ایک شق پر بحث کرتا چلا جاتا ہے دوسرا فریق دوسری شق پر۔ اگر مسئلہ کی تفصیل دونوں فریق بیان کر دیں تو اختلاف یا تو مکمل ختم ہو جائے گا یا کم ہو کر صرف تحقیقی اختلاف کا درجہ اختیار کرلے گا جو باعث رحمت ہے۔

بھی اہلِ علم جب نبی کریم ﷺ کی تخلیق اول اور آپ کے نور اور آپ کی نبوت عالمِ ارواح سے لے کر تاابد بیان کرنے میں قرآن واحادیث اور دوسری کتب کا حوالہ دیتے ہیں تو میں حیران ہوتا ہوں کہ ان سے زیادہ تحقیق تو استاذی المکرّم تنویر الابصار اور کوثر الخیرات میں کر چکے ہیں۔

دوسری وجہ کی تفصیل:

استاذی المکرّم کی کتاب تحقیقات میں کچھ عبارتیں مبہم ہیں جن کی وضاحت صرف ایک لفظ سے کی جاسکتی ہے۔ کچھ عبارات ثقیل ہیں ان کو پہلی کتب کے مطابق بہتر طریقہ سے تبدیل کیا جاسکتا ہے، اس میں نہ شان میں کوئی فرق آئے گا اور نہ ہی کوئی شکست لازم آئے گی بلکہ محقق ومدبر کی شان ہی یہی ہے۔

میری مؤدبانہ گذارش یہ ہے:

(۱) کہ کتاب کے شروع میں پہلے تو وہ عقیدہ مکمل ذکر کیا جائے جو میں نے آپ کی کتب سے اخذ کیا ہے لوگ ہزار مرتبہ کہتے رہیں کہ آپ اپنے عقائد سے پھر گئے ہیں لیکن میں تو یہ مفروضہ قائم نہیں کرسکتا۔ حقیقتِ حال سے واقف ہوں آپ کے عقائد کے صحیح ہونے اور ان پر پختگی سے قائم رہنے کی وجہ سے ہی تو مجھے بھی عقائدِ صحیحہ کا پتہ چلا اور آپ کی دعاء اور آپ کی محنت وشفقت سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس پر قائم ودائم ہوں۔

(۲) آپ کا وضاحتی خط جو مجھے ایک شخص کے ذریعے ملا جسے میں ابتدائیہ کے بعد اپنے اس رسالہ میں شامل کررہا ہوں اسے بھی کتاب تحقیقات میں شامل ضرور ہی کرلیں۔

(۳) جہاں بھی آپ اپنی کتاب تحقیقات میں یہ ذکر فرمارہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو چالیس سال بعد نبوت عطاء کی گئی وہاں ہی ساتھ یہ ذکر ہو کہ "چالیس سال بعد نبوت جسمانی" آپ کو حاصل ہوئی۔

(۴) اس سے پہلے نبوت جسمانی اور نبوت روحانی کی تعریف کردی جائے جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں بالفعل اور بالقوۃ کی تعریف کردی۔ اگرچہ تحقیقات میں وہ تعریف موجود ہے لیکن ابتداء میں بھی اس کا ذکر ضروری ہے۔ اگرچہ جہلاء پھر بھی نہیں سمجھیں گے کہ نبوت بالفعل کا مطلب کیا ہے؟ نبوت روحانی سے بالفعل کا ثبوت کیسے اور نبوت جسمانی سے چالیس سال تک نفی کیسے؟ لیکن کسی جاہل کی جاہلانہ گفتگو سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۵) جو عبارتیں کچھ ثقیل ہیں ان کو ضرور بدل دیا جائے جیسا کہ میں نے رسالہ کے آخر میں دو تین مثالیں دی ہیں۔

(۶) کتاب کا ابتدائیہ جس محب نے لکھا ہے وہ کتاب کی تصنیف کا تجربہ نہیں رکھتا، اس کو بدل کر ایسا مقدمہ لکھا جائے جس میں شائستگی اور محبت سمجھ آجائے۔

(۷) پیر نصیر الدین گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد میرے خیال میں کتاب کا آنا ہی درست نہیں تھا۔ اگر کوئی ضرورت تھی تو اعتراض وجواب کی شکل میں کتاب آنی چاہیے تھی۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ پیر صاحب مرحوم کی تقریر وتحریر میں آپ کے خلاف سخت الفاظ استعمال کئے گئے زندگی میں مقابلہ کسی حد تک سمجھ میں آتا ہے لیکن اس قسم کا تخالف جو فتنہ کا سبب ہو وہ مستحسن نہیں اور مسلک کا نقصان اور اغیار کو فائدہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ لاہور کے ایک مدرسہ کے ایک شخص نے فتنہ قائم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آئے دن رسالہ میں شائع کر کے کہ مولنا اشرف صاحب نے رجوع کرلیا، کبھی رجوع سے پھر گئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ جتنی مخالفت بڑھتی چلی جاتی ہے اتنا ہی مزاج سخت ہوتا ہے لیکن یہ میرا مشورہ میری سمجھ کے مطابق مفید ہے۔

(۸) زیادہ بہتر ہے کہ جو آپ کے اپنے قلم سے پیر صاحب کی مخالفت میں ان کے وصال کے بعد الفاظ تحریر ہوئے ان کو ضرور حذف کردیا جائے۔

وجہ تالیف رسالہ اور گذارشات:

میں اس مسئلہ میں خاموش رہا کہ مجھے دونوں حضرات کی غلامی کا شرف حاصل رہے کسی ایک کا طرف دار نہ سمجھا جائے، لیکن جب ہر طرف سے ٹیلی فون آنے شروع ہو گئے کیا مولنا محمد اشرف صاحب نبی کریم ﷺ کی چالیس سال تک نبوت کے منکر ہیں۔ پھر آپ کی مخالفت میں لکھے ہوئے کتابچے ملنے شروع ہوئے جن کے نام اوران میں لکھے ہوئے مضامین میں جس زبان کا استعمال کیا گیا اس سے دل جل اٹھا۔

اگر چہ تین کتابچے مہذب انداز میں آپ کے تخالف میں لکھے ہوئے ملے۔ تو میں نے آپ کی تین کتب کا مطالعہ کر کے بعض عبارات کو قلمبند کیا پھر ان کا علامہ شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب "الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر" کی عبارات سے موزانہ کیا ان کی بھی کچھ وہ عبارات قلمبند کیں۔ اسی دوران چینوٹ سے ایک مولنا صاحب کا ٹیلیفون آ گیا۔ انھوں نے بھی یہی سوال کیا کہ مولنا محمد اشرف صاحب کی کتاب تحقیقات میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا چالیس سال کی عمر تک کا انکار کیا گیا ہے۔ میں نے ان کو آپ کی کتب سے حاصل کیا ہوا آپ کا عقیدہ بتایا ساتھ ہی یہ کہا کہ آپ کی کتاب میں بعض سرخیاں غلط فہمیاں پیدا کر رہی ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ ٹیلی فون کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے تمہارا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا تھا۔ فیصل آباد میں بہت انتشار پھیل چکا ہے کہ مولنا محمد اشرف صاحب نبی کریم ﷺ کی چالیس سال تک نبوت کے منکر ہو گئے۔ اس لئے آپ کچھ عرض کریں کہ استاذ محترم اس مسئلہ کو سلجھائیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں کچھ مضامین قلمبند کر رہا ہوں وہ رسالہ کی شکل میں مع اپنی گذارشات کے استاذی المکترم کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر دوں گا۔

شاید آپ یہ سن کر بھی حیران ہو جائیں گے کہ ایک منحوس جس نے میرے پاس ابتداء سے انتہاء تک کتب پڑھی ہیں، اگر چہ کچھ کتابیں اس نے کسی میرے شاگرد یا کسی اور بزرگ سے پڑھی بھی ہیں تو مجھ سے وہ دہرائی ہیں۔ جب اسکے متعلق بھی پتہ چلا کہ وہ بھی آپ کے خلاف ٹونک رہا ہے تو دل بہت دکھا کہ جو شخص ابھی تو کتابوں کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر ہے وہ بھی

ٹونک رہا ہے۔

دماغ ہے بھی تو عقلِ سلیم سے خالی
نظر میں نور نہیں خوش نظر بنے ہوئے ہیں
ہمارا نام انہیں اب گراں گزرتا ہے
ہمارے کام سے جو نامور بنے ہوئے ہیں
سبھی پہ جہالت و حماقت جن کی عیاں ہے راشد
وہ کس بناء پہ یہاں معتبر بنے ہوئے ہیں

اس لئے اس دلدل سے نکلنے کیلئے تحقیقات کی نئی ترتیب میری گذارشات کے مطابق دی جائے تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اجازت دی جائے تو عربی عبارات آپ کی تمام باقی رکھتے ہوئے اردو کی کانٹ چھانٹ اور شرح کے ساتھ کتاب کو غیر متنازع ترتیب دے دوں۔

مسئلہ میں جب اختلاف نہیں تو اختلاف پیدا کیوں کیا جارہا ہے؟

استاذی المکرّم کا عقیدہ جو میں بیان کر چکا ہوں وہی سلف صالحین کا عقیدہ ہے اور وہی معترضین ومخالفین کا ہے تو اختلاف کیوں؟

جو علماء کرام سنجیدہ ہیں ان کی خدمت میں درخواست یہ ہے:

پہلے استاذی المکرّم کی تینوں کتب تنویر الابصار، کوثر الخیرات اور تحقیقات کا مطالعہ کریں آپ کے عقائد دیکھیں اپنی طرف سے مفروضہ قائم کر کے یہ ثابت نہ کریں کہ آپ نے اپنی پہلی کتب سے انحراف کر کے نیا عقیدہ قائم کرلیا۔ یہ بہتانِ عظیم ہے علماء کی شان کے لائق نہیں۔ راقم نے کسی کے خلاف گندی زبان استعمال نہیں کی۔ گندی زبان والوں کی تحریروں کو پڑھ کر بھی صبر و تحمل سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی صلاحیت دے رکھی ہے کہ ان کا مؤاخذہ بھی کرسکتا ہوں۔ کون ہے جو گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دے سکتا ایک کے بدلے دس گالیاں دینا بھی آسان ہے لیکن اللہ تعالیٰ جاہلانہ اور احمقانہ انداز سے بچائے۔ آمین

عبدالرزاق بھترالوی، حطاروی

استاذی المکرم کا وضاحتی خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی کریم ﷺ کو نبوت کب عطا ہوئی:

(شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب مدظلہ کی طرف سے وضاحت)

میری کتاب ہدایۃ المتذبذب کی ایک عبارت اور بعض بیانات سے سنی حلقوں میں نبی کریم ﷺ کو نبوت عطا ہونے کے بارے میں غلط فہمی اور تشویش پائی جا رہی ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس موضوع پر اپنا عقیدہ آسان اور شفاف لفظوں میں تحریر کر کے علماء اہل سنت کی خدمت میں پیش کر دوں اور ہدایۃ المتذبذب کی عبارت میں چند لفظوں کا اضافہ کر دوں تا کہ علماء کی تشویش ختم ہو جائے۔

حدیث پاک "کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین" سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ تخلیق سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے نبی تھے، حتی کہ ہمارے آپ ﷺ عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو فیضیاب فرماتے رہے۔ اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد بھی آپ ﷺ چالیس سال کی عمر شریف تک نبوت کے تمام تر کمالات کے حامل تھے۔ چالیس سال کی عمر شریف کے بعد آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ یعنی اس دوران (پیدائش سے چالیس سال تک) آپ ﷺ عنداللہ نبی اور عندالناس نبی نہیں تھے۔ جیسا کہ ابوالشکور سالمی کی تمہید میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ چالیس سال سے پہلے کے عرصہ کو نبوت بالقوۃ اور اس کے بعد کو نبوت بالفعل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

میرا یہ عقیدہ مقتدایان اہلسنت خصوصاً حضرت شیخ عبدالحق دہلوی، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہم الرحمۃ الرضوان

کے عقیدے کے مطابق ہے۔ اگر میرا یہ عقیدہ ان بزرگوں کے عقیدے کے خلاف ہو تو میں رجوع کے لئے تیار ہوں۔

ھدایۃ المتذبذب ص ۳۰۲ سطر ۴ پر میں نے لکھا تھا کہ عالم بشریت اور وجود عنصری کا حکم جداگانہ ہے، اسلئے آگے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہوں " نبی کریم ﷺ کی نبوت عالم ارواح میں بھی اور چالیس سال کی عمر شریف کے بعد بھی بالفعل ہے اور چالیس سال تک نبوت بالقوۃ ہے۔

سوال: بالقوۃ اور بالفعل سرکار دو جہاں ﷺ کی نبوت کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: آپ ﷺ کی بالقوۃ نبوت سے مراد یہ ہے کہ عمر مبارک چالیس سال تک پہنچنے سے پہلے آپ ﷺ اللہ کے ہاں نبوت پر فائز تھے لیکن اس وقت لوگوں کو آپ ﷺ نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کا نہ حکم فرمایا نہ ہی اس وقت لوگوں پر آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا لازم تھا اور نہ ہی اس دوران آپ ﷺ نے تبلیغ احکامِ شرعیہ کا فریضہ سرانجام دیا اور نہ آپ ﷺ ہی پر اس وقت یہ لازم تھا۔

اور بالفعل نبوت سے مراد یہ ہے کہ چالیس سال کے بعد آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں پر لازم ہوا کہ اس وقت آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائیں اور اس وقت آپ ﷺ نے تبلیغ احکام کا فریضہ شروع فرمایا جیسا کہ ابوالشکور سالمی نے تمہید میں ارشاد فرمایا۔

اجمعنا جمیعا علی انه لا یجوز الایمان قبل الوحی والدعوی ولا یسمی نبیا لیکون ولیا عند الناس و نبیا عند الله وقال ایضا لان النبی ﷺ قبل الوحی وقبل ظهور النبوة یکون ولیا عند الناس وان کان نبیا عند الله تعالی	" اس پر ہم سب کا اجماع ہے کہ وحی اور دعوی (نبوت) سے پہلے ایمان لانا جائز نہیں اور نہ ہی (اس عرصہ میں) آپ کو نبی پکارا جائے گا پس عند الناس ولایت کے مقام پر فائز ہوں گے اور عند اللہ نبی ہوں گے نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ وحی اور ظہور نبوت سے پہلے عند الناس ولی تھے اگرچہ عند اللہ نبی تھے۔"
(التمہید ص 75 مطبوعہ سید صاحب)	

ھذا ما عندی والله ورسوله اعلم ۔ (ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی عفی عنہ)

خط کا خلاصہ:

نبی کریم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے نبی تھے، اس وقت یعنی عالم ارواح میں آپ انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ اس پر حدیث "کنت نبیاء آدم بین الروح والجسد" اور حدیث بالمعنی "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" اور کئی احادیث دلالت کر رہی ہیں۔

○ اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد آپ نبوت روحانی کے تمام کمالات سے متصف تھے۔ وہ نبوت منسوخ نہیں ہوئی۔ چالیس سال کے بعد آپ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ اس وقت آپ کو لوگوں نے بھی نبی مانا جبکہ اللہ کے ہاں پہلے سے ہی نبی تھے۔ چالیس سال سے پہلے نبی کریم ﷺ اللہ کے ہاں مقام نبوت پر فائز تھے، لیکن اس وقت لوگوں کو آپ ﷺ نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کا نہ ہی حکم فرمایا، نہ ہی اس وقت لوگوں پر آپ کی نبوت پر ایمان لازم نہ تھا اور نہ ہی اس دوران آپ ﷺ پر تبلیغِ احکام کا فریضہ لازم تھا اور نہ ہی آپ نے اسے سرانجام دیا، یہی نبوت بالقوۃ ہے۔

○ آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا چالیس سال کے بعد آپ کے اعلان کے بعد لوگوں پر آپ کی نبوت پر ایمان لازم ہو گیا، آپ پر تبلیغ احکام کو لازم کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ آپ نے تبلیغ احکام کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا یہ نبوت بالفعل ہے۔ ابوالشکور سالمی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب تمہید میں یہی واضح کیا کہ نبی پر وحی نازل ہونے سے پہلے تو وہ اللہ کے ہاں نبی ہی تھے لیکن لوگوں نے آپ کو صادق و آمین کے القاب سے نوازا اور نیک اور ولی سمجھا۔ اس عرصہ کے دوران نہ ہی نبی کریم ﷺ نے دعویٰ نبوت کیا اور نہ ہی آپ کو نبی کہا گیا اور اس دوران ایمان لانا جائز نہیں تھا۔

فائدہ: چالیس سال کے بعد اعلان نبوت کا لفظ بھی استاذی المکرم نے استعمال کیا راقم بھی یہی لفظ استعمال کرتا ہے۔ اعطائے نبوت کا لفظ بھی آپ نے استعمال کیا۔ اور بعثت کا سال بھی آپ نے بیان فرمایا۔

جب مطلب یہ ہو کہ نبی کریم ﷺ پہلے سے ہی نبوتِ مطلق یعنی روحانی نبوت سے متصف چلے آرہے ہیں تو یہ کہنا درست ہے کہ چالیس سال بعد آپ نے جسمانی نبوت کا اعلان فرمایا۔ جب یہ لحاظ کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کو چالیس بعد جسمانی نبوت عطاء کی گئی تو اب اعطائے نبوت کہنا بھی درست ہے۔ بعثت کا لفظ اپنے متعلقات کے لحاظ پر دونوں کو شامل ہے۔

لغوی بحثوں سے اوراق سیاہ کرنا بے مقصد ہے۔ لغات بھی ضرورت کے مطابق دیکھتا رہتا ہوں۔ مفرداتِ راغب اب نظر کے سامنے ہے لیکن مقصودی بات کو تحریر میں چند لفظوں سے بیان کر دیتا ہوں۔ لمبی بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ کے فضل وکرم سے قرآن پاک کی توضیح وتشریح کا کام بھی اپنی بساطت کے مطابق کر رہا ہوں کبھی کوئی مسئلہ صرف ایک تفسیر سے ملتا ہے تو اسے ذکر کر دیتا ہوں جبکہ میرے زیرِ مطالعہ تیرہ (۱۳) عربی تفاسیر ہیں۔ اکثر طور پر ایک ہی مضمون کئی تفاسیر میں بلکہ سب تفاسیر میں ہی ہوتا ہے۔ نظر سب پر کر لیتا ہوں لیکن نقل ایک سے کر لیتا ہوں تو اسی کا حوالہ دے دیتا ہوں۔ ہاں! کبھی دو یا تین تفاسیر سے بعض کلمات کو جوڑ توڑ کر ان کا مطلب بیان کرتا ہوں تو اس وقت ان تفاسیر کا نام بطورِ حوالہ پیش کر دیتا ہوں۔

راقم کا اندازِ تحریر یہ ہے:

کہ بات اپنی کی جائے کسی پر کیچڑ نہ اچھالا جائے تا کہ دوسرا تحریر کو پڑھے اور لکھنے والے کے نظریات کو سمجھے، ایسی تحریر نہ ہو کہ دوسرا دو چار لفظ پڑھ کر کتاب کو پھاڑ کر جلا دے۔ ایک کہے: فلاں بڑا کمینہ ہے جس نے یہ لکھا۔ اور دوسرا کہے: وہ بھی حرامی اور اس کے ماں باپ بھی حرامی تھے اسی لئے اس نے یہ لکھا ہے۔ ایک کہے: وہ مشرک ہے اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ دوسرا کہے وہ منافق ہے جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوگا۔ خدارا! یہ انصاف کیا جائے کیا ایسی تحریر نفع مند ہو سکتی ہیں؟ نہیں! نہیں! سوائے نقصان دینے کے ان میں کچھ نہیں۔

راقم نے "تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان" کیوں تصنیف کی؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک رسالہ دیکھا جس کا نام تھا کنز الایمان پر پابندی کیوں؟ اس

کے رد میں، تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان لکھی گئی۔ اس کے ابتدائیہ میں راقم نے یہ لکھا جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا راقم کو کیسی تحریر پسند ہے۔

اس میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کو جو گالیاں دی گئیں:

ان کی دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں، حریفوں کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جائے کہ کس طرح پست ذہن رکھنے والے ہیں:

(۱) برصغیر پاک و ہند کے مبتدع اعظم و فتنہ تکفیر کے بانی مولنا احمد رضا خان۔

(۲) مذکورہ ترجمہ و تفسیر اسی فرقہ ضالہ کے پیشوا مولنا احمد رضا بریلوی اور اس کے خلیفہ مفتی نعیم الدین مراد آبادی کی خامہ فرسائی کا نتیجہ ہے۔

(۳) مولانا بریلوی کے ترجمہ قرآن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا انسان مسلمانوں کا رہنما یا عالم اور اہلِ سنت کا امام تو کیا ایمان ہی کے نور سے خالی ہے۔

راقم نے صبر و تحمل کا دامن تھامتے ہوئے یہ لکھا:

اگرچہ ایسی نازیبا عبارات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ اسی طرح کا جواب دیا جاتا لیکن پھر بھی اخلاق و سنجیدگی کا دامن تھامتے ہوئے فقط اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کے محاسن و کمالات تفاسیر کے آئینہ میں پیش کئے جا رہے ہیں، جہاں دیگر مترجمین کی کشتیاں تلاطمِ امواج میں ہچکولے کھاتی نظر آتی ہیں، وہاں محبتِ رسول ﷺ کی وسعتِ علم اور دقتِ نظر جیسے مضبوط و قوی ناخدا کے سہارے کشتی صحیح و سلامت کنارے پر لنگر انداز نظر آتی ہے۔

ابھی تو تحقیق کے ابتدائی مراحل ہیں جس طرح تحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا اہلِ علم کی تحقیق و تدقیق سے ان شاء اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کے حسن و جمال میں اور نکھار آجائے گا۔

اس سے پہلے چند سطریں بطورِ نتیجہ ملاحظہ ہوں:

جہاں سے میں نے اپنی کتاب کے ابتدائیہ سے عبارت کو ضبطِ تحریر میں لایا اس سے

پہلے چند سطریں بطور نتیجہ دیکھیں:

عظیم المرتبت ہستی پر دشنام طرازیوں کا سلسلہ اس انداز پر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ کسی عالم کی تحریر نہیں بلکہ بدترین جاہل کا کلام ہے کیونکہ اگر یہی علم ہے تو جہالت کسے کہا جاتا ہے؟[1]

میری کتاب مذکور کو دیکھ کر ایک دیوبندی عالم نے یہ کہا:

میں نے رسالہ " کنز الایمان پر پابندی کیوں؟" بھی دیکھا ہے اور آپ کی کتاب " تسکین الجنان، بھی دیکھی ہے، دونوں کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ لیکن رسالہ میں سوقیانہ زبان استعمال کر کے جہالت کا ثبوت پیش کیا ہے اور تم نے مہذب طریقہ اختیار کیا عالمانہ تحقیق کی ہے۔ نظریات اپنے اپنے ہیں لیکن میں آپ کے انداز تحریر کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور مجھے دیوبندیوں کے مشہور عالم مولنا عبدالعزیز خطیب لال مسجد اسلام آباد میرے گھر آ کر میرے حاشیہ نورالایضاح پر خراج تحسین پیش کر چکے ہیں کہ تم نے بڑی محنت کی ہے، بہت خوب انداز رکھا ہے، حالانکہ نورالایضاح میں راقم نے اپنے مسلک کی خوب ترجمانی کی ہے لیکن حاسدین پھر بھی جل رہے ہیں۔

علماء کرام اور طلباء کرام کی خدمت میں عرضِ دعا:

میں اکثر طور پر علیل رہتا ہوں۔ ایک آپریشن سے ابھی گزرا ہوں۔ صاحب فراش ہوتے ہوئے ہی "الیواقیت والجواہر" کا مطالعہ کرتا رہا اور استاذی المکرم کی کتابوں سے موازنہ کرتا رہا ابھی دو آپریشن اور ناگزیر ہیں۔ آپ دعاء یہ فرمائیں کہ جب تک میرا زندہ رہنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ہے اس وقت تک مجھے زندگی کے ساتھ ساتھ صحت عطاء فرمائے اور جب میری موت اللہ تعالیٰ کو پسند ہو تو خاتمہ بالخیر پر موت آئے اور اللہ کرے کہ مجھے کسی کے محتاجی حاصل نہ ہو بلکہ چلتے پھرتے رب تعالیٰ اپنے ہاں بلالے۔ آمین۔

❁❁❁❁❁❁

1۔ ابتدائیہ از راقم تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان

استاذی المکرم کی خدمت میں عرض:

اگر علالت، ضعف اور سفر کی طوالت کی وجہ سے معمول کے مطابق سلسلہ میں ملاقات معطل یا تاخیر ہو جائے تو آپ مجھے دعائے خیر سے یاد رکھنا۔ اگر آپ کی حیات طیبہ میں میری آنکھیں بند ہو جانے کی خبر آپ کو مل جائے تو دعائے مغفرت کر دینا۔

آہ! ہم کتنے بے قدر ہیں:

بہ عنوان راقم نے نجوم الفرقان میں "خلف فی الوعید" کا مسئلہ قائم کرتے ہوئے قائم کیا۔ یہ مسئلہ حضرت مولنا غلام رسول شیخ الحدیث رضوی فیصل آباد کے حاشیہ مسلم الثبوت سے نقل کیا تو میں نے لکھا۔ "آہ ہم کتنے بے قدر ہیں" کہ یہ حاشیہ مختصر اور بہت جامع ہے لیکن ہم نے اسے تنظیم المدارس کے کورس سے نکال دیا جب کتاب ہی نہیں پڑھائی جائے گی تو کسی کو کیا ضرورت ہے کہ وہ مسلم الثبوت خریدے یا پڑھے جس پر حاشیہ مولنا غلام رسول رضوی رحمہ اللہ کا ہو۔ یقین جانئے! ہم نے ایک عظیم شخص کے عظیم کام پر پانی پھیر کر ضائع کر دیا ہے۔

عبدالرزاق بھترالوی، حطاروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی خلق الارض والسماء و فضل علی جمیع الخلق الانبیاء ورفع درجات محمد سید الانبیاء والصلوۃ والسلام علی نبی الانبیاء وعلی سائر الانبیاء وعلی صحابته وآله وعلی العلماء والصلحاء الاتقیاء اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجات وآتینا عیسی ابن مریم البینات وایدناه بروح القدس (پ۳، پہلی آیۃ)۔

(1) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ جسے سب درجوں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسی کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی۔ (کنز الایمان)

(2) یہ رسول ہیں فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا۔ اور بلند کئے ان میں کسی بعض کے درجے اور ہم نے عطاء کیں عیسی ابن مریم کو کھلی نشانیاں۔ (نجوم الفرقان)

اجماع امت:

اجمعت الامة علی ان بعض الانبیاء افضل من بعض وعلی ان محمد افضل من الکل

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ)

اس مسئلہ میں تمام امت کا اتفاق ہے کہ بے شک بعض انبیاء کرام بعض سے افضل ہیں اور اس پر بھی اجماع امت ہے کہ ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " لا تفضلوا بین الانبیاء " انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور دوسری حدیث شریف میں آپ کا ارشاد گرامی ہے "لا تخیرونی علی موسی " مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، ان احادیث کو دیکھ کر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

پہلا جواب

نبی کریم ﷺ نے بعض اوقات کلام عاجزانہ فرمایا اور بعض اوقات حقیقتِ حال کو بیان فرمایا، جن احادیث میں فضیلت نہ دینے کا ذکر ہے وہ آپ کا عاجزانہ کلام ہے اور حقیقت حال کو آپ نے یوں بیان فرمایا:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی

(مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین ج 2)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمام انسانوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا اس پر کوئی فخر نہیں اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کو سواء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔"

وضاحت حدیث:

"سید" جو تمام قوم سے فضیلت و خیریت میں برتر ہو اسے سید کہتے ہیں، اسی طرح اور سید کا مطلب یہ ہے:

ھو الذی یفزع الیہ فی النوائب و الشدائد فیقوم بامرھم و یتحمل عنھم مکارھھم و یدفعھا عنھم

(نووی شرح مسلم کتاب الفضائل ج 2)

سید اسے کہتے ہیں جس کی طرف قوم اپنے مصائب وآلام میں پناہ پکڑے وہ ان کی حاجات کو پورا کرے، خود مشقتیں برداشت کرکے ان کی تکالیف کو دور کرے۔

ولدِ آدم: ظاہر طور پر اس کا معنی اولادِ آدم ہے یعنی تمام اولادِ آدم پر مجھے سیادت و فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اس پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کی افضلیت آدم علیہ السلام پر ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہاں! آپ کی اولاد پر جب آپ کو افضلیت ثابت ہو گی تو باقی تمام انبیاء کرام پر افضلیت ثابت ہو جائے گی کیونکہ وہ تمام آدم علیہ

السلام کی اولاد میں داخل ہیں۔

تو اس کا ایک جواب یہ دیا گیا: " فانهم يستعملون ولد آدم بمعنى نوع الانسان " عربی زبان والے ولد آدم بمعنی نوع انسان کے لیتے ہیں یعنی عام محاورہ کے مطابق معنی صرف اولاد آدم نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ میں تمام انسانوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا۔اس معنی کے لحاظ پر نبی کریم ﷺ کی افضلیت حضرت آدم علیہ السلام پر بھی واضح طور پر ثابت ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ............ان للحديث تتمة موضحة للمطلوب وهو قوله عليه السلام وما من نبي يومئذ آدم فمن سواه الاتحت لوائي۔ کہ مطلب کو واضح کرنے کے لئے حدیث پاک کے آخری الفاظ سے تکمیل ہو رہی ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کے سواء تمام انبیاء کرام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

جب تمام انبیاء کرام اور خصوصا حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے پناہ لینے پر مجبور ہوں گے تو اسی سے واضح ہوگیا کہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام پر بھی فضیلت حاصل ہوگی۔

<u>یوم القیامۃ:</u>

نبی کریم ﷺ نے قیامت کے دن کا ذکر فرمایا کہ مجھے قیامت کے دن سرداری حاصل ہوگی۔حالانکہ آپ کو دنیا میں بھی تمام پر سیادت حاصل ہے، پھر قیامت کے دن کے ذکر کرنے کا کیا مطلب؟ اس کو جواب یہ ہے کہ قیامت میں آپ کی فضیلت تمام پر ظاہر ہو جائے گی۔

ان في يوم القيامة يظهر سوددہ لكل احد ولا يبقى منازع ولا معاند (شرح نووی علی المسلم)

بے شک قیامت کے دن آپ کی برتری سب پر ظاہر ہو جائے گی، کوئی جھگڑا کرنے ولا جھگڑا نہیں کرے گا، اور کوئی شخص عناد نہیں کرے گا۔

دنیا کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ دنیا میں کفار اور مشرکین نے آپ کی افضلیت کو تسلیم نہیں کیا، دنیا میں اگر چہ بہت لوگ آپ کے وسیلہ جلیلہ کے بغیر براہ راست خدا تک رسائی حاصل کرنے کے دعویدار ہیں، لیکن قیامت کے دن تمام کو ہی میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ کا ہی وسیلہ

تلاش کرنا پڑے گا۔

جب تمام امتوں کو انبیاء کرام فرمائیں گے " اذھبوا الی غیری " کسی اور کے پاس جاؤ اس کا وسیلہ تلاش کرو، اس وقت میرے پیارے حبیب پاک ﷺ کی زبان مبارک پر ہوگا " انا لھا " اس شفاعت کا میں ہی حق دار ہوں۔ اس وقت آپ کی شانِ رسالت کی فوقیت واضح ہو جائے گی، کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کا قیامت کا ذکر کرنا ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا " لمن الملك اليوم لله الواحد القهار " آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔ اگرچہ آج بھی ہر قسم کی بادشاہی اسی کو حاصل ہے، اور تمام چیزیں اس کی ملکیت ثابت کرتی ہیں، اسی طرح مجازاً لوگوں کی طرف ملکیت کو پیش کیا جاتا ہے، لیکن قیامت کے دن تمام کی ملکیتیں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی شخص بھی کسی چیز کے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نہ ہی مجازاً کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہوگا، صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی۔ نہ کوئی شخص اس کا انکار کرے گا اور نہ ہی اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکے گا۔

ولا فخر:

ای ولا اقوله تفاخرا بل اعتداداً بفضله وتحدثا بنعمته وتبليغا لما امرت به یعنی میں اپنی سیادت و برتری اور افضلیت کوئی فخر و تکبر کے طور پر نہیں بیان کر رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت کو بیان کرنے کے لئے ذکر کر رہا ہوں اور جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ امت کو پہچاننے کے لئے ذکر کر رہا ہوں کہ امت مجھے پہچان لے۔

" یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنی سیادت کو دو وجہ کے پیش نظر بیان کیا:

پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ پر اپنے مراتب بیان کرنے ضروری ہوتے ہیں تاکہ آپ کی امت آپ کو پہچان لے اور آپ پر اعتقاد رکھے اور آپ کی عزت و تکریم کرنے کا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اسی طرح اس پر عمل کر سکے۔

دوسری وجہ یہ ہے " امتثالا لامر الله تعالى واما بنعمة ربك فحدث " آپ نے

اپنے مراتب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کرتے ہوئے بیان فرمائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "واما بنعمة ربك فحدث" اپنے رب کی نعمتوں کو خوب بیان کرو۔

تنبیہ: آیہ کریمہ اور حدیث پاک میں تطبیق ثابت کی جارہی ہے اور یہ بیان کیا جارہا کہ نبی کریم ﷺ نے انبیاء کرام کی فضیلت سے کیوں منع فرمایا اور یہ کیوں فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر برتری نہ دو۔ اس کا جواب ذکر کیا جاچکا ہے اس کو علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا "قالہ ادبا وتواضعا" نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد دوسرے انبیاء کرام کے ادب و احترام کے ثابت کرنے کے لئے اور اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے فرمایا۔

دوسرا جواب:

"انہ ﷺ قال قبل ان یعلم انہ سید ولد آدم فلما علم اخبر بہ" اس کی اور وجہ یہ ہے کہ یہ ارشاد آپ کا ہے کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، اس علم سے پہلے کا ہے جس میں آپ کی تمام انسانوں کی سرداری بیان ہے، جب آپ کو یہ علم حاصل ہو گیا تو آپ نے اپنی حقیقت حال کا ذکر بھی فرمادیا۔

اکثر اہل سنت و جماعت کے نزدیک آپ کا علم تدریجی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وللاخرة خیرلك من الاولیٰ" آپ کی ہر آنے والی گھڑی بہتر ہے پہلی سے۔ آپ کو وقتاً فوقتاً روز بروز علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جاتا رہا یہاں تک کہ آپ کو لوح محفوظ کے تمام علوم عطاء فرمادیئے گئے۔

انبیاء کرام پر فضیلت دینے کی ممانعت کا قول آپ کا پہلے کا ہے، جب آپ کو یہ علم عطا کردیا گیا کہ آپ کو تمام مخلوق پر سیادت حاصل ہے تو پھر آپ نے دوسرا ارشاد فرمایا: "انا سید ولد آدم" میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔

تیسرا جواب:

والثالث ان النهی انما هو عن تفضیل یودی الی تنقیص المفضول آیہ کریمہ

اور حدیث پاک میں تطبیق کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی فضیلت دینے سے منع کیا، جس کی وجہ سے دوسرے انبیاء کرام کی شان میں تنقیص لازم آئے۔

اصل میں موسی علیہ السلام پر برتری دینے کی ممانعت کی وجہ ہی یہ تھی کہ ایک یہودی ذمی نے کہا "ان اللہ اصطفی موسی" بے شک اللہ نے موسی علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا۔ اس کے ان الفاظ کو سن کر ایک صحابی نے اسے تھپڑ مار دیا کہ نبی کریم ﷺ کو ہم میں موجود ہیں پھر بھی تو کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے برگزیدہ بنایا۔ اس ذمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت آکر عرض کیا کہ آپ نے ہمارے مال اور جان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی، لیکن آپ کے صحابی نے مجھے تھپڑ مار دیا۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس کی وجہ پوچھی اور آپ کو بتایا گیا اس یہودی نے یہ کہا تھا "ان اللہ اصطفی موسیٰ" بے شک اللہ نے موسی علیہ السلام کو چن لیا، برگزیدہ بنایا، تو اس صحابی کو طیش آیا۔ تو میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ نے اس وقت یہ فرمایا "لا تخیرونی علی موسی" مجھے موسی علیہ السلام پر برتری نہ دو۔

اس کا مطلب ہی واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ کے نبی باقی مخلوق پر افضل ہوتے ہیں۔ لہذا موسی علیہ السلام کی فضیلت بیان کرنے سے غصہ نہ کیا جائے، یہ انداز جو اختیار کیا گیا ہے درست نہیں، کیونکہ ایک نبی کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے نبی کی تنقیص لازم آئے، یہ منع ہے۔

فائدہ: جب اس جواب سے یہ مطلب واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ایسی فضیلت بیان کرنا منع ہے جس سے دوسرے انبیاء کرام کی شان میں کمی لازم آئے اور ان کی توہین کا پہلو نکلے۔ اسی سے یہ فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور وحدانیت اس طرح بیان کرنا جس سے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی شان میں کمی لازم آئے یقیناً وہ منع ہے، بتوں کے حق میں جن آیات کو نازل کیا گیا ہے ان کو اولیاء کرام اور انبیاء کرام پر چسپاں کرنا، اور کافروں کے حق میں نازل ہونے والی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرنا ظلم عظیم ہے اور اپنے ہی ایمان کو ضائع کرنا ہے۔

اس سے اور یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ خارجیوں کی طرح صحابہ کرام کی ایسی شان بیان کرنا۔ جس سے اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلے وہ شان صحابہ مردود ہوگی اور (افضیوں کی طرح اہلِ بیت کی ایسی شان بیان کرنا جس سے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی پائی جائے اور صحابہ کرام کی شان میں تنقیص لازم آئے تو وہ شان اہلِ بیت بھی مردود ہوگی۔ ہاں اگر اہلِ بیت اور صحابہ کرام کی شان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے درجہ میں رکھے تو یہی ایمان ہے۔

چوتھا جواب:

والرابع انما نهى عن تفضيل يودى الى الخصومة والفتنة

نبی کریم ﷺ نے جس فضیلت دینے سے منع فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر ایسی فضیلت نہ دو جو جھگڑے کا سبب بنے۔

جیسا کہ ذمی اور صحابی کے درمیان جھگڑا ہوا، جس کا ذکر کیا جاچکا ہے۔

پانچواں جواب:

والخامس ان النهى مختص بالتفضيل فى نفس النبوة فلا تفاضل فيها وانما التفاضل بالخصائص وفضائل اخرى ولابد من اعتقاد التفضيل فقد قال الله تعالى تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض"

پانچواں جواب یہ ہے کہ جس فضیلت سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس نبوت میں ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو کیونکہ تمام انبیاء کرام نفسِ نبوت میں برابر ہیں۔ البتہ خصائص اور کمالات وغیرہ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کرام کا بعض کا بعض پر افضل ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بعض انبیاء کرام کی فضیلت دوسرے انبیاء کرام پر "تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض" سے بیان کردی تو اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

تنبیہ: جب واضح ہوگیا کہ تمام انبیاء کرام نفس نبوت میں برابر ہیں تو یہ کہنا خود بخود باطل ہو جائے گا کہ نبی کریم ﷺ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور نبی موصوف

بوصف نبوت بالعرض ہیں۔ نہیں نہیں! بلکہ سب انبیاء کرام نبوت سے متصف بالذات ہیں۔ کسی نبی کی نبوت بالعرض نہیں۔ اس مسئلہ کو کوئی تفصیل سے دیکھنا چاہے تو غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کے رسالہ "البتشير بر التحذير" کا مطالعہ کرے۔

افضلیت مصطفیٰ ﷺ پر دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا: "وما ارسلناك الا رحمة للعلمين" (پ ۱۷، الانبیاء آیہ ۱۰۷) اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ "فلما كان رحمة لكل العالمين لزم ان يكون افضل من كل العالمين" جب آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو یقینی طور آپ تمام جہانوں سے افضل ہیں۔ یعنی آپ افضل المخلوقات ہیں۔ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" یعنی مختصر بات یہی ہے کہ خدا کے بعد سب سے افضل آپ ہی ہیں۔

(۲) رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ورفعنا لك ذكرك" (پ ۳۰، الانشراح آیہ ۴) اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔ مالک الملک نے اپنے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذکر کو متصل کیا، کلمہ شہادت میں، اذان میں، اور تشہد وغیرہ میں۔ "ولم يكن سائر الانبياء كذلك" اور باقی تمام انبیاء کرام کا ذکر اس طرح نہیں۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور فرمایا: "من يطع الرسول فقد اطاع الله" (پ ۵، النساء آیہ ۸۰) "جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا"۔

آپ کی بیعت کو رب تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا اور فرمایا: "ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم" (پ ۲۶، سورۃ الفتح آیہ ۱۰) بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے۔ اور آپ کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ "ولله العزة ولرسوله

وللمومنین " (پ ۲۸، المنافقون آیہ ۸) اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے۔

اور آپ کی رضا کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کے ساتھ ذکر فرمایا: "ولله ورسوله احق ان یرضوه " (پ ۱۰، التوبہ ۶۲) اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زائد ہے کہ انہیں راضی کریں۔

رب قدوس نے آپ کے بلانے پر حاضر ہونے کو اپنے بلانے پر حاضر ہونے کے ساتھ ذکر فرمایا: " یاایها الذین امنو استجیبوا الله وللرسول " (پ ۹، الانفال آیہ ۲۴) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو۔

یہ عظمت صرف نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے دوسرے انبیاء کرام کو حاصل نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ قرآن پاک کی ہر سورۃ سے چیلنج کریں، کون شخص ہے جو قرآن پاک کی سورۃ جیسی سورۃ بنا کر لائے۔ " فاتو بسورة من مثله " تو اس جیسی ایک سورہ تو لے آؤ۔

سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے جس میں تین آیتیں ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہر تین آیتوں سے چیلنج کیا لیکن وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو جب قرآن پاک میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں تو ہر تین تین آیتیں جب معجزہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی دو ہزار بائیس معجزات پر مشتمل ہے، باقی معجزات علیحدہ ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو معجزات عطاء کئے تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو کثیر معجزات کی وجہ سے تمام انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کا معجزہ یعنی قرآن پاک تمام انبیاء کرام کے معجزات سے افضل ہے۔ لہٰذا ہمارے رسول پاک کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا بھی ثابت ہے، چونکہ قرآن پاک کو تمام کلاموں میں اولیت حاصل ہے جیسے آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر اولیت حاصل ہے (لیکن بحیثیت بشری وجود کے حقیقت کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ کو ہی اولیت بھی حاصل ہے) اور یہ بھی واضح ہے کہ لباس اعلیٰ ہو تو لباس والے کو شان حاصل

ہوتی ہے تو ایسا کیوں نہ ہو کہ معجزہ اعلیٰ ہو تو صاحب معجزہ بھی اعلیٰ ہو۔

(۶) باقی تمام انبیاء کرام کے معجزات فانی تھے، انبیاء کرام علیہم السلام جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ لیکن حضور ﷺ کا معجزہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے باقی ہے یقینی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز اعلیٰ ہے فنا ہونے والی سے لہٰذا جس کو وہ معجزہ ملا جو باقی رہنے والا ہے تو اس ذات کا بھی بلند مرتبہ ماننا ضروری ہے۔

(۷) تمام انبیاء کرام کو جو کمالات انفرادی طور پر حاصل تھے وہ تمام نبی کریم ﷺ کو حاصل تھے اس لئے آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا: " اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده "یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تو تم ان کی راہ پر چلو۔

اس آیہ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو پہلے انبیاء کرام کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ پہلے انبیاء کرام کی اصول دین میں اقتداء کریں تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ تقلید ہے اور اصول دین میں تقلید نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو پہلے انبیاء کرام کی فروع دین میں اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے تو اقتداء کا اور کوئی مطلب نہیں سوائے اس کے " فلم يبق الا ان يكون المراد محاسن الاخلاق " کہ اس سے مراد اچھے اخلاق اور کمالات ہوں۔

گویا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا ہم آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال وعادات پر مطلع کرتے ہیں آپ ان کے اچھے اور احسن اخلاق وعادات کو اپنے لئے پسند فرمالیں اور ان کی ان عادات میں اقتداء کریں۔

وهذا يقتضى انه اجتمع فيه من الخصال ''اس بحث سے واضح ہوا کہ تمام اچھی عادات

المرضية ما كان متفرقا فيهم فوجب ان يكون افضل منهم — جو تمام انبیاء کرام کو متفرق طور پر حاصل تھیں وہ آپ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوئیں، لہٰذا آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔"

یہ بھی خیال رہے کہ انبیاء کرام کو حاصل ہی اچھی عادات تھیں، کوئی بری عادت حاصل نہیں تھی، لہٰذا آپ کو تمام انبیاء کرام کے تمام کمالات ہی حاصل تھے۔

(۸) نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا' رب تعالیٰ نے فرمایا: " وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا " (پ۲۲، السباء آیہ ۲۸) اور اے محبوب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر۔

جتنے زیادہ امتی ہوں اتنی ہی زیادہ مشقت نبی پر ہوتی ہے، نیکیوں کے کاموں میں جتنی مشقت زیادہ برداشت کی جائے اسی قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اور خصوصاً جب انسان کو مال حاصل نہ ہو اور دوست، یار، مددگار نہ ہوں اور پھر لوگوں کو کہے " یا ایھا لا کافرون " (پ۳۰، الکافرون) اے کافرو! یہ سن کر لوگ دشمن بن جائیں تو یہ کتنا خوف کا مقام ہے جو بہت بڑی مشقت کا ذریعہ ہے۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطاء کر کے بھیجا گیا تو آپ کے دشمن صرف فرعون اور فرعون کی قوم کے لوگ تھے، لیکن بنی اسرائیل آپ کا ساتھ دینے والے تھے۔ لیکن ادھر نبی کریم ﷺ کو دیکھیں آپ کے تمام لوگ ابتدائی طور پر مخالف تھے یہی وجہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام پر فضیلت دی۔

اور خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ساری عمر رات دن کے طویل اوقات میں انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور خصوصاً ایسے حالات میں ان کی عادت کے مطابق حالات بالکل واضح تھے کہ یہ تو آپ سے دشمنی کریں گے آپ کو تکالیف پہنچائیں گے۔ معاذ اللہ آپ کو حقیر سمجھیں گے۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوئی تاخیر نہیں کی، بلکہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے احکام آپ نے پہنچائے اور عظیم مشقتیں آپ نے برداشت کیں، عظیم مشقت برداشت کرنا افضلیت کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی بعد میں ایمان لانے والوں سے افضلیت بیان کی، اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے تکالیف برداشت کیں، اسی وجہ سے وہ افضل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل " (پ ۲۷، الحدید آیہ ۱۰) تم میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا۔

صحابہ کرام جنہوں نے زیادہ مشقتیں برداشت کیں جب وہ دوسروں سے زیادہ افضل ہیں تو یقیناً وہ نبی جنہوں نے سب انبیاء کرام سے زیادہ تکالیف اٹھائیں۔ سب انبیائے کرام سے زیادہ فضیلت کے مالک ہیں۔

(۹) نبی کریم ﷺ کا دین تمام دینوں سے افضل ہے تو آپ کا سب انبیائے کرام سے افضل ہونا بھی ضروری ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دوسرے تمام دینوں کے لئے منسوخ کرنے والا بنایا تو یہ ظاہر ہے کہ جو دین دوسرے دینوں کو منسوخ کردے، وہ افضل دین ہے اور آپ کے دین کی افضلیت آپ کے اس قول سے بھی ثابت ہے۔

" من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الی یوم القیامة" جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس ایجاد پر اجر حاصل ہوگا اور قیامت تک جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اعمال کے مطابق اجر بھی اسے ملے گا۔

جب آپ کے دین میں اجر و ثواب زیادہ ہے اور خصوصاً "کان واضعه اکثر ثوابا من واضعی سائر الادیان " آپ کے دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے جو دوسرے دینوں میں اس طرح نہیں۔

" فلزم ان یکون محمد ﷺ افضل من سائر الانبیاء" تو اس سے ضروری ہوگیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ کو تمام انبیائے کرام پر فضیلت حاصل ہو۔

(۱۰) نبی کریم ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے تو یقیناً آپ کو بھی سب انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے۔ آپ کی امت کی شان کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا۔ "کنتم خیر امة اخرجت للناس" تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

آپ کی امت کو بہتری اور فضیلت کیوں حاصل ہے؟ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں اور آپ کی تابعداری کی وجہ سے ہی دوسری امتوں سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: "قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله" (پ۲، البقرہ آیہ۳۱) اے محبوب! تم فرماؤ کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔

جب آپ کی امت کو آپ کی تابعداری کی وجہ سے افضلیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی حاصل ہوگئی تو آپ کی ذات کا بھی سب انبیائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہوگیا۔

نیز نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے نبی بن کر تشریف لائے تو آپ کو اجر و ثواب زیادہ حاصل ہوا۔ انسان کے مدارج کی بلندی اجر و ثواب کی زیادتی پر ہے، اسی وجہ سے جتنے لوگ آپ کی دعوت قبول کرنے والے زیادہ ہوں گے اسی قدر آپ کے مراتب ہوں گے، یہ شان دوسرے انبیائے کرام کو حاصل نہیں۔

فائدہ:

عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ اولی الناس بی یوم القیامة اکثرهم علی صلوة	حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے قیامت کے دن میرے نزدیک وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔

(ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ النبی ﷺ)

اس حدیث کی شرح میں علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اولی الناس ای اقربهم بی او احقهم بشفاعتی	اولی" کا معنی ہے " اقرب" ایک تو اس کا

يوم القيامة اكثرهم على صلوة لان كثرة الصلوة منبئة عن التعظيم المقتضى للمتابعة الناشئة عن المحبة الكاملة المرتبة عليها محبة الله تعالى قال تعالى "قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم"

(مرقاۃ' علامہ قاری رحمہ اللہ ج 2 ص 340)

ظاہری معنی ہے کہ آپ پر زیادہ درود پڑھنے والے کو نسبت دوسرے لوگوں کے جنت میں قریب مقام حاصل ہوگا اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ شخص میری خصوصی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا، نبی کریم ﷺ پر زیادہ درود شریف وہی پڑھے گا۔ جس کے دل میں آپ کی تعظیم پائی جائی گی۔اور جس شخص کو آپ کو عظمت کا خیال ہوگا وہ آپ کی تابعداری بھی کرے گا، آپ کی تابعداری وہی شخص کامل طور پر کرتا ہے جسے محبت کاملہ حاصل ہوتی ہے، جسے نبی کریم ﷺ سے کامل محبت حاصل ہوتی ہے وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے' رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! آپ فرمادیں کہ لوگو تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

سبحان اللہ! نتیجہ کتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر رب تعالیٰ سے محبت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی رب تعالیٰ کو اس سے محبت ہوگی۔صرف نام سے توحیدی کہلانے سے کچھ نہیں بنتا اگر تو نے اپنی عاقبت سنوارنی ہے تو آقا سید الانبیاء ﷺ کا غلام بن جا تو یہ بھی کہتا پھرے کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب حاصل نہیں تھا۔ وہ دیوار کے پیچھے کا علم نہیں رکھتے تھے، ان کا مرتبہ ہمارے بڑے بھائی جیسا تھا، وہ کسی اختیار کے مالک نہیں تھے۔وہ تو ہم جیسے بشر تھے، اس قسم کے لغویات زبان سے نکالتا رہے اور پھر یہ بھی کہے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ سے محبت ہے تیری اس بات پر کون اعتبار کرے؟

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

(۱۱) نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں' جب آپ کے ذریعہ سلسلہ نبوت ختم ہوگیا یعنی آپ کی آمد سے انبیاء کرام کی تشریف آوری منسوخ ہوگئی تو یقینی بات ہے کہ وہ دوسروں کی آمد

کا ناسخ بن سکتا ہے جو سب سے افضل ہو یہ عقل کے خلاف ہے کہ کم مرتبہ والا اعلیٰ کی آمد کو منسوخ کر دے۔

(۱۲) بعض انبیاء کرام کو بعض پر معجزات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، کثرت معجزات ان کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں، جب نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء کرام سے زیادہ معجزات حاصل ہیں تو آپ کو فضیلت بھی سب سے زیادہ حاصل ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کا بظاہر ایک معجزہ قرآن پاک ہی دو ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے۔

"ومنها ما يتعلق بالقدرة" پھر بعض معجزات آپ کو وہ حاصل ہیں جو آپ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں جیسے تھوڑے طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کر دیا اور تھوڑے پانی سے کثیر لوگوں کو سیراب کر دیا۔ "ومنها مايتعلق بالعلوم كالاخبار عن الغيوب" اور بعض معجزات آپ کو علوم سے متعلق ہیں جیسے کہ غیبی خبریں۔

کاش کہ میری برادری کے میرے پیارے جہال کو بھی یہ سمجھ آ جاتا کہ غیبی خبریں دینا حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔ آپ کے معجزات کا انکار کافر بھی نہیں کر سکتے تھے۔

"ومنها اختصاصه فى ذاته بالفضائل" آپ کے بعض معجزات وہ ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں۔ تمام اشراف عرب سے آپ اعلیٰ حسب ونسب کے مالک ہیں، شجاعت، اخلاق کریمہ، بردباری، وعدہ کی وفاء، فصاحت و بلاغت، اور سخاوت۔ ان تمام اوصاف میں نبی کریم ﷺ کا کوئی مثل نہیں لہٰذا آپ کا سب سے افضل ہونا واضح ہو گیا۔

(۱۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدم ومن دونه تحت لوائى يوم القيامة " آدم علیہ السلام اور ان کے ماسوا قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

اس سے واضح ہوا کہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد (جس میں انبیاء کرام بھی ہیں) پر فضیلت حاصل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "انا سيد ولد آدم ولافخر" میں اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس کوئی فخر نہیں۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

لا یدخل الجنۃ احد من النبیین حتی ادخلها انا ولا یدخلها احد من الامم حتی تدخلها امتی

انبیاء کرام میں سے کوئی ایک بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا۔ جب تک میں نہیں داخل نہیں ہوں گا اور تمام امتوں میں سے کوئی بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک میری امت داخل نہیں ہوگی۔

ان احادیث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام پر افضل ہیں۔

(۱۴) عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ انا اول الناس خروجا اذا بعثوا انا خطیبهم اذا وفدوا و انا مبشرهم اذا ایسوا لواء الحمد بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولافخر

جب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے قبر سے باہر میں ہی آؤں گا۔ جب سب لوگ آئیں گے تو میں ہی ان سے خطاب کروں گا' جب لوگ ناامید ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دوں گا' لواء الحمد (خصوصی عظمت والے جھنڈے کا نام) میرے ہاتھ میں ہوگا' تمام اولادِ آدم پر رب تعالی کے ہاں میں ہی مکرم ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔"

○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ بیٹھ کر تذکرہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا کلام سنا کہ بعض نے تعجب کرتے ہوئے کہا "ان اللہ اتخذ ابراهیم خلیلا" بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور بعض نے کہا "ماذا باعجب من کلام موسی کلمه تکلیما" موسیٰ علیہ السلام کے کلام پر اور زیادہ تعجب ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کلیم بنایا۔ کچھ اور نے کہا "عیسی کلمۃ اللہ وروحه" عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ بعض اور حضرت نے کہا "آدم اصطفا اللہ" آدم صفی اللہ ہیں۔ اتنے میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا ہے اور تمہارے دلائل سنے ہیں۔ بیشک یہ حقیقت ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں، موسیٰ کلیم اللہ ہیں، واقعی ایسا ہی اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں۔ یقیناً ایسا ہی ہے، اور آدم صفی اللہ ہیں ہاں! یہی بات ہے۔

"الا وانا حبیب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامة ولا فخر وانا اول شافع وانا اول مشفع یوم القیامة ولافخر وانا اول من یحرك حلق الجنة فیفتح لی فادخلها ومعی الفقراء المؤمنین ولا فخر وانا اکرم الاولین و الآخرین ولا فخر۔"

''خبردار! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن لواء الحمد میں ہی اٹھانے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت کو قبول کیا جائے گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کے دروازے کو میں ہی کھٹکاؤں گا اور میرے لئے دروازہ کھلا جائے گا میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، تمام پہلے پچھلے لوگوں سے میں ہی زیادہ مکرم ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔"

__فائدہ:__ خلیل وحبیب کے معانی میں فرق کیا ہے؟ اگر خلیل کا اشتقاق خلل سے ہو تو خلیل وہ ہوگا جو یکسو ہو کر خدا کی طرف ہو جائے، مطلب یہ کہ خدا کی طرف یکسوئی اور اس کی محبت میں کوئی خلل ونقصان نہ ہو۔ 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلیل بھی ہیں اور حبیب بھی، اور رب تعالیٰ آپ کا خلیل ہے، آپ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

"لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لاتخذت ابابکر خلیلا"

اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور توجہ کا مرکز نہیں۔ اس کا معنی کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خلیل نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرام کے خلیل ہیں،

1۔ مدارج النبوت، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

حضرت ابوہریرہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے "خلیلی" (میرے خلیل) کا لفظ استعمال فرمایا اور بعض صحابہ کرام سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔

اس کا مقصد یہ ہوا کہ صحابہ کرام کی کامل یکسوئی اور توجہ کا مرکز نبی کریم ﷺ تھے، اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض صحابہ کرام نے آپ کو "خلیلی" (میرے خلیل) کہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام کی توجہ کو مرکز نبی کریم ﷺ اور آپ کی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ۔

"خلیل" اگر مشتق ہو "خلۃ" (بالفتح) سے تو معنی ہوگا فقر واحتیاج، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے خلیل کہا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی تمام حاجات کو خدا پر چھوڑ دیا تھا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اسی کی طرف پھیر دیا تھا اور خود کو بھی خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا' یہاں تک کہ آپ کو آگ میں ڈالنے کے لئے جب منجنیق میں ڈالا گیا اس وقت جبریل نے آ کر کہا" ھل لك حاجۃ" کیا آپ کو میری امداد کی ضرورت ہے؟" آپ نے فرمایا" اما الیك فلا" لیکن تیری طرف کوئی حاجت نہیں۔ حضرت ابراہیم ﷺ کا جبریل کی امداد سے انکار دو وجہ سے تھا:

ایک وجہ یہ تھی کہ آپ نے کامل طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا' اسی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے بھی یہ درخواست نہیں کی کہ اے اللہ! مجھے آگ سے بچالے کیونکہ آپ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے حال سے باخبر ہے' مجھے عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اس وقت کائناتِ عالم میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مجھے ہی علومرتبت (مرتبہ کی بلندی) حاصل ہے، تو کیا ضرورت تھی کہ آپ جبریل سے امداد طلب کرتے، جبکہ جبریل ابراہیم سے کم مرتبہ تھے۔

خیال رہے کہ ہر نبی کا ہر فرشتے سے مرتبہ بلند ہوتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی مقرب ہوں۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے خلیل وحبیب کے فرق کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ آیئے! دیکھئے کیا خوب بیان فرمایا:

والحاصل انه یقال محمد حبیب اللہ واللہ حبیب محمد ولا یقال واللہ خلیل ابراھیم	"حاصل کلام یہ کہ یہ کہا جا سکتا ہے محمد ﷺ اللہ کے حبیب ہیں اور اللہ محمد ﷺ کا حبیب ہے

مع جوازہ ابراھیم خلیل اللہ

لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ ابراہیم علیہ السلام کا خلیل ہے البتہ یہ کہنا جائز ہے ابراہیم اللہ تعالی کے خلیل ہیں۔"

اس لئے کہ حبیب بمعنی فاعل ہو تو محبّ (محبت کرنے والا) ہوگا، اگر بمعنی مفعول ہو تو بمعنی محبوب (جس سے محبت کی جائے) ہوگا۔ ان دونوں معنوں کے لحاظ سے یہ کہنا درست ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالی سے محبت کرنے والے ہیں اور اللہ آپ سے محبت کرنے والا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کے محبوب ہیں اور اللہ تعالی آپ کا محبوب ہے۔ اگرچہ حبیب بمعنی فاعل اور مفعول کے آتا ہے لیکن اس مقام میں بمعنی مفعول لینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ "الا انا حبیب اللہ" کا معنی یہ ہوگا" خبردار میں اللہ کو میں محبوب ہوں"

لا شک ان نسبۃ المفعولیۃ فی ھذا المقام اتم من نسبۃ الفاعلیۃ فی المرام کما یشعر الیہ قولہ سبحانہ و تعالی یحبھم و یحبونہ لا سیما و محبۃ اللہ تعالی کاملۃ سابقۃ ذاتیۃ ازلیۃ و محبۃ العبد ناقصۃ لاحقۃ عرضیۃ غرضیہ

یقیناً اس مقام میں مفعولیت والا معنی لینا نسبت فاعلیت کے زیادہ بہتر اور کامل ہے، مقصد بیان کو زیادہ واضح کررہا ہے اللہ تعالی کے ارشاد گرامی "یحبّھم و یحبونہ" (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے خصوصاً اللہ تعالی کی محبت کامل، سابق، ذاتی، ازلی اور ابدی ہے اور بندے کی محبت ناقص، لاحق، عرضی اور غرضی ہے۔

اگر "خلیل" مشتق ہو "خُلّۃ" (بالضم) سے تو معنی ہوگا محبت۔ اس معنی کے لحاظ سے اللہ تعالی ابراہیم کا خلیل اور ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی کے خلیل ہوں گے۔ اللہ تعالی کو نبی کریم ﷺ کا خلیل ہونا پہلے حدیث پاک سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالی کا خلیل ہونا ان احادیث سے ثابت ہے۔

" انا صاحبکم خلیل اللہ" بیشک تمہارا صاحب (تمہارا آقا) اللہ کا خلیل ہے۔

" وقد اتخذ اللہ صاحبکم خلیل اللہ" بیشک اللہ نے تمہارے آقا کو خلیل بنایا۔

تنبیہ: اگرچہ خلیل کا معنی بھی محبت کے معنی کا حامل ہے لیکن حبیب کے معنی میں زیادتی محبت اور محبت خاصہ ہوگی گویا حبیب خلیل تو ہوگا لیکن خلیل کے لئے حبیب ہونا ضروری نہیں۔

حبیب درجۂ مراد میں:

خلیل درجہ مرید میں ہوگا اور حبیب درجہ مراد میں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے امید و طمع کو یوں بیان فرمایا ہے:

"والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین" ''اور (میرا رب) وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔''

انبیاء کرام معصوم ہیں گناہ ان سے صادر نہیں ہوتے، ان کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور امت کے لئے طلب مغفرت کی تعلیم ہے۔ اور حبیب پاک ﷺ کے متعلق رب تعالیٰ ذوالجلال کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔ " لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر " تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔

مولائے کائنات نے اپنے خلیل کے طلب کے طریق کا ذکر یوں فرمایا " ولا تخزنی یوم یبعثون " "اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائیں جائیں گے لیکن اپنے حبیب ﷺ کو بلا مطالبہ از خود ارشاد فرمایا: "یوم لا یخزی اللہ النبی " "قیامت کے دن اللہ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا یعنی حضرت ابراہیم طلب کرتے ہیں اور حبیب ﷺ کو بغیر طلب کے عطاء کیا جاتا ہے' جس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام درجہ مرید میں ہیں اور حضور ﷺ درجہ مراد میں۔ اسی طرح یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام درجۂ طالب میں ہیں اور حبیب ﷺ درجۂ مطلوب میں۔

○ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا گیا آپ نے اگرچہ سوال نہیں کیا لیکن جبریل کے کہنے پر کہ آپ مجھ سے امداد نہیں طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرو اور دعاء کرو وہ تمہیں اس مصیبت سے بچالے، آپ نے فرمایا: "حسبی اللہ" مجھے اللہ کافی ہے۔ یعنی سوال کرنے کے بغیر ہی وہ میرے حال سے باخبر ہے اور وہی مجھے کافی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے

حبیب کے متعلق ارشاد فرمایا: " یا ایھا النبی حسبك الله " اے نبی! اللہ آپ کو کافی ہے۔ان دونوں قولوں میں وجہ فرق یہ ہے:

" ان کل احد یدعی انه محب الله ولکن الکمال ھو ان یقول الله انا محبوبه او محبه" (شرح شفاء)

"بلاشبہ ہر شخص دعوی کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے لیکن کمال یہ ہے کہ خود رب ذوالجلال کہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، یا یہ کہے کہ فلاں مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

یہاں یہی صورت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خود "حسبی الله " کہتے ہیں لیکن حبیب ﷺ کے متعلق خود رب کائنات کہتا ہے " یا ایھا النبی حسبك الله " گویا ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ میرے ساتھ محبت کرتا ہے لیکن یہ کیسا ہی کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے متعلق فرما رہا ہے کہ میں اپنے پیارے نبی سے محبت کرتا ہوں۔

○ حضرت ابراہیم دعا فرماتے ہیں "واجعل لی لسان صدق فی الآخرین "اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔ یعنی ان امتوں میں میرا ذکر بلند فرما جو میرے بعد آئیں اور ان کے دلوں میں میری محبت ڈال، آپ کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ بعد میں آنے والی تمام امتیں آپ سے محبت کرتی رہی اور آپ کی طرف منسوب ہونے کی تمنا کرتی رہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے (آپ کی دعا کے بغیر) فرمایا" ورفعنا لك ذکرك" اور بلند کیا ہم نے تمہارا ذکر۔ آپ کا ذکر اس طرح بلند فرمایا کہ اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو رکھا، یہاں تک کہ اذان، نماز، مساجد کے منبروں پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا وہاں مصطفیٰ ﷺ کا بھی ذکر ہوگا۔

" بل مکتو با علی ساق عرشه واشجار جنته وقصورھا و نحور حورھا" (شرح شفاء)

"بلکہ آپ کے اسم گرامی کو عرش معلی اور جنت کے درختوں اور جنت کے محلات اور حوروں کے سینے پر تحریر فرمایا ہے۔"

جو مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو بعد از سوال عطاء فرمایا وہی مرتبہ حبیب پاک ﷺ کو

بغیر طلب کرنے کے عطاء فرمایا، بلکہ اس سے بلند ترین۔

○ حضرت ابراہیمؑ بارگاہ ذوالجلال میں یوں دعا گو ہیں " واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام " مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔ انبیائے کرام بت پرستی اور تمام گناہوں سے معصوم ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعاء کرنا بارگاہِ الٰہی میں تواضع و اظہار احتیاج کے لئے ہے کہ باوجودیکہ تو نے اپنے کرم سے معصوم کیا لیکن ہم تیرے فضل و رحمت کی فرط دست احتیاج دراز رکھتے ہیں۔

خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء میں جو بیٹوں کا ذکر ہے اس سے مراد آپ کے صلبی بیٹے ہیں کیونکہ آپ کی اولاد میں سے کئی لوگ کافر بھی ہوئے ہیں اس لحاظ سے آپ کی یہ دعاء کامل قبول ہوئی کہ آپ کے لئے ذاتی بیٹوں میں سے کوئی کافر نہیں، لیکن خالق کائنات اپنے پیارے حبیب ﷺ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔'' (سورۃ احزاب)

یعنی گناہوں کی نجاست سے تم آلودہ نہ ہو، اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور اہل بیت میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سب داخل ہیں، آیت واحادیث جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی امام منصور ماتریدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

''ان آیات میں اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ کو نصیحت فرمائی گئی تاکہ وہ گناہوں سے بچیں او تقوی و پرہیزگاری کے پابند ہیں۔''

گناہوں کو ناپاکی سے اور پرہیزگاری کو پاکی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، کیونکہ گناہوں کا مرتکب ان سے ایسا ہی ملوث ہوتا ہے جیسا جسم نجاستوں سے۔ اس طرزِ کلام سے مقصود یہ ہے کہ

ارباب عقول کو گناہوں سے نفرت دلائی جائے، اور تقوی و پرہیز گاری کی ترغیب دی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کے گناہوں سے دور رہنے کی دعاء فرماتے ہیں لیکن اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو خود ہی بشارت دی کہ آپ کی آل یعنی ازواج مطہرات اور حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھرانہ گناہوں سے پاک ہیں۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی رسائی بالواسطہ اور نبی کریم ﷺ کی بلاواسطہ خلیل اللہ علیہ السلام کے متعلق رب تعالی نے ارشاد فرمایا:

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السماوات والارض ولیکون من الموقنین ○

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

یعنی جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو دین میں بینائی عطاء فرمائی ایسے ہی انہیں آسمان اور زمین کے ملک دکھائے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے آسمان اور زمین کی تمام مخلوق مراد ہے۔

مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ آیات سماوات وارضی مراد ہیں۔ یہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ (پتھر) پر کھڑا کیا گیا، اور آپ کے لئے آسمان منکشف کئے گئے، یہاں تک کہ آپ نے عرش و کرسی اور آسمانوں کے تمام عجائب اور جنت میں اپنے مقام کا معائنہ فرمایا، آپ کے لئے زمین منکشف فرما دی گئی یہاں تک کہ آپ کے لئے سب سے نیچے کی زمین کشف فرما دی گئی تو آپ نے سب سے نیچے کی زمین تک نظر کی اور زمینوں کے تمام عجائب دیکھے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ رویئت (دیکھنا) بچشم باطن تھی بچشم سر۔ (یہ انکشاف یہاں تک تھا) کہ ہر ظاہر و باطن چیز ان کے سامنے ظاہر کر دی گئی اور خلق کے اعمال سے کچھ بھی ان سے نہ چھپا رہا لیکن حبیب پاک ﷺ کی رسائی بذاتہ بلاواسطہ ہوئی، صرف اس میں

رب تعالیٰ کی عطاء کا دخل ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی اس رسائی کو ان الفاظ مبارکہ ذکر فرمایا۔ " ثم دنا فتدلی " پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا۔ " فکان قاب قوسین او ادنی " تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ " فاوحی الی عبدہ ما اوحی " اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

ان آیات مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کی ذات باری تعالیٰ سے ملاقات کا تذکرہ فرمایا گیا۔" وقد اخرج عنہ احمد قال قال رسول اللہ ﷺ رایت ربی حضرت ابن عباس سے مسند احمد میں روایت ذکر کی گئی ہے، آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا:

عن عبد اللہ قال قلت لابی ذر لو رایت رسول اللہ ﷺ سالتہ فقال عن ای شی کنت تسالہ قال کنت اسالہ ھل رایت ربک ؟ فقال ابو ذر قد سالتہ فقال رایت نورا

حضرت عبداللہ رضی اللہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کرتا تو آپ سے سوال کرتا، توانہوں نے کہا تم کون سی چیز کے بارے میں سوال کرتے؟ میں نے کہا میں آپ سے پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہی سوال آپ سے کیا تھا آپ نے فرمایا: میں نے نور کی زیارت کی۔

ابھی تک بیان کردہ بحث سے خلیل وحبیب میں فرق ہو چکا ہے۔

تنبیہ: محبت ماخوذ ہے " حبۃ القلب " سے معنی یہ ہوا کہ محب کا اپنی طبعیت کے موافق محبوب کی طرف قلبی میلان اور اس سے تلذذ حاصل کرنا۔ محبت کا نتیجہ یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی مخالفت نہ کرے بلکہ اس کے ہر امر کی اطاعت کرے۔ بندے کا رب سے محبت کرنا بھی بطور نتیجہ ہی معتبر ہے۔ یعنی بندے کا رب سے محبت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا مطیع ہے، اس کے احکام پر عمل پیرا ہے یعنی اس کی مخالفت کرنے والا نہیں۔

حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا اسی مقصدِ عظیم کو ان الفاظ میں پیش فرماتی ہیں :

تعصی الا له وانت تزعم حبه — لعمرك فی الضیع بدیع

لو کان حبك صادقا لا طعته — ان المحب لمن یحب مطیع

تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا بھی دعوی دار ہے۔ تیری عمر کی قسم تیرا یہ فعل بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ اگر تو اپنی محبت کے دعوی میں سچا ہے تو اپنے رب کا مطیع ہو جا۔ بیشک سچا محب تو وہی ہے جو اپنے محبوب کا مطیع ہو۔

لیکن یہ معنی تو اس وقت ہو سکتا ہے جب دل کا میلان اور تلذذ اور انتفاع ثابت ہو سکے، لیکن اللہ تعالیٰ ان اسباب حدوث سے پاک ہے اس کے لئے دل کا ثبوت اور اس کے دل کا میلان اور اس کا کسی سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ اغراض سے پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنے بندے کو اطاعت وعبادت کی قدرت عطاء فرماتا ہے اور اس کو گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ فرماتا ہے اور اس کی قربت کے اسباب یعنی نوافل روزہ، صدقات، تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل وغیرہ مہیا فرماتا ہے اور اس پر فیضان رحمت فرماتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو اپنا مقرب بناتا ہے سب سے بڑھ کر محبت کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندے کے دل سے حجابات کو اٹھا دیتا ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنے دل کی آنکھوں سے تجلیات انوار الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے، تو انسان کو رب کی یاد میں محویت اور اللہ کے دربار میں حضوری حاصل ہوتی ہے بس اللہ تعالیٰ کی بندے سے یہی محبت ہے۔

(۱۵) بیہقی نے فضائل صحابہ کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دور سے نظر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "هذا سید العرب" یہ شخص عربیوں کا سردار ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "الست انت سید العرب" کیا آپ تمام عربیوں کے سردار نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "وانا سید العالمین وهو سید العرب" میں تو تمام جہانوں کا سردار ہوں وہ عربیوں کے سردار ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام جہانوں میں انبیاء کرام بھی ہیں، لہٰذا آپ کو تمام انبیاء کرام پر سیادت، فضلیت اور برتری حاصل ہے۔

(۱۶) نبی کریم ﷺ کی فضیلت کو محمد بن عیسیٰ حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے ایک مثال سے اس طرح بیان کیا کہ ہر امیر کو اپنی رعیت کی مقدار پر مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اگر ایک شخص ایک بستی کا امیر ہو تو اسے مشقت اس بستی کے رہنے والوں کی مقدار میں اٹھانی پڑے گی اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا ہوگا، اور اگر ایک شخص تمام روئے زمین کا مشرق و مغرب تک حاکم بنا دیا جائے تو اسے بنسبت ایک بستی یا ایک علاقے کے حاکم سے زیادہ مال اور ذخائر کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اس نے بہت ہی زیادہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہوگا اور ان کے انتظامات کرنے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک رسول کو ایک قوم کی طرف بھیجا جائے تو اسے توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر اسی مقدار میں دیئے جاتے ہیں کیونکہ جتنی مقدار رسالت کی ہے، یعنی جتنے امتی ہوں گے اسی مقدار میں کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر کسی رسول کو ایک علاقہ میں رسول بنا کر بھیجا گیا تو اس رسول کو اپنے امتیوں کی تعداد کے مطابق کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی۔

اگر کسی ذات کو تمام اہلِ مغرب و مشرق اور تمام جنوں اور انسانوں کا رسول بنایا گیا ہو تو یقیناً اسے اس کی رسالت کی وسعت کے پیش نظر روحانی خزانے یعنی معرفت کے جواہر اور توحید کے خزانے بھی وسیع تر عطا ہوں گے تا کہ ان کی مقدار امت کے مطابق ہو سکے۔

تمام انبیاء کرام کو اتنی وسیع نبوت نہیں عطا کی گئی جتنی کہ نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئی کیونکہ ہر نبی کو کسی قوم یا کسی علاقے کا نبی بنایا لیکن حبیب پاک ﷺ کو ساری کائنات کو نبی بنایا گیا۔

فلما کان کذلك لا جرم اعطی من کنوز الحکمة والعلم ما لم یعط احد قبله فلا جرم بلغ فی العلم الی الحد الذی لم یبلغه احد من البشر

جب یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وسیع تر ہے تو یقیناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ کی حکمت اور علم کے وہ خزانے عطاء کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی کو بھی عطاء نہیں کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" "وحی فرمائی اپنے بندے کو جو

وحی فرمائی۔

صاحب روح البیان علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ یہ وحی بغیر واسطہ (شب معراج یا عام اوقات میں بذریعہ القاء) کے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔

یہ اس وحی کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہیں، اور ان اسرار پر کسی اور کو اطلاع نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ تمام راز تمام مخلوق سے مخفی رکھے، کسی کو نہیں بتایا کہ وہ وحی کیا تھی کیونکہ یہ محبّ اور محبوب کے راز تھے، محبّ اور محبوب اپنے درمیان مخفی رازوں کو دوسرے پر مطلع نہیں کرتے، صرف اسی ایک مقام پر یہ شعر سچا آتا ہے۔

میان طالب و مطلوب رمزیست　　　　کراماً کاتبین راہم خبر نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان وہ راز تھے جن پر کراماً کاتبین بھی مطلع نہیں تھے، اور فصاحت میں نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں تھا، نبی کریم ﷺ اپنے خصوصی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں" اوتیت جوامع الکلم " مجھے جوامع الکلم عطاء کیے گئے، یعنی مختصر کلام جو کثیر مطالب کو حاوی ہو اور وہ جوامع الکلم کہلاتے ہیں یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے جو کسی کو عطاء نہیں ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو جو کتاب (قرآن مجید) عطا کی گئی وہ سب کتابوں سے افضل اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ ان تمام وجوہ کے پیش نظر حضور ﷺ کی افضلیت تمام انبیاء کرام پر ظاہر و عیاں ہو گئی۔

(۱۷) محمد بن حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب النوادر میں ذکر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں بیشک آپ نے فرمایا:

ان الله اتخذ ابراهیم خلیلا و موسی نجیا واتخذنی حبیبا ثم قال وعزتی وجلالی لاوثرن حبیبی علی خلیلی و نجی

بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور موسیٰ کو نجی بنایا، اور مجھے حبیب بنایا، پھر رب تعالیٰ نے فرمایا (حدیث قدسی) کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی اور قسم ہے مجھے اپنے جلال کی میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر ترجیح دے رہا ہوں۔

جب رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر اپنے خلیل اور اپنے نجی پر اپنے حبیب کی برتری کو بیان فرما دیا تو اب سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہی کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔

(۱۸) بخاری اور مسلم میں عمامہ بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت مذکور ہے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت بیان فرمائی، رسول ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا بہت حسین وجمیل بنایا اور مکمل بنایا لیکن اس کو کونوں میں سے ایک کونا میں ایک اینٹ کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگوں نے (اس گھر کو دیکھنے کے لئے) اس میں چکر لگانا شروع کیا اور وہ اس کی تعمیر پر تعجب کرنے لگے (کہ بہت حسین وجمیل اور مکمل طور پر بنایا گیا ہے) اور کہنے لگے کے یہاں تم نے ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی کہ یہ گھر مکمل ہو جاتا، حضور ﷺ نے فرمایا: "کنت انا تلک اللبنۃ" وہ اینٹ میں ہی تھا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے قصر نبوت شاندار حسین وجمیل بنایا لیکن ایک نبی کے آنے کی جگہ چھوڑ دیا لوگ اس کے منتظر تھے کہ وہ خاتم النبین بھی آجائیں تاکہ قصر نبوت کی باقی جگہ مکمل ہو جائے، (تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا) تو میں نے آکر اس قصر نبوت کی تکمیل کی۔

اب واضح ہوا کہ جس ذات کے بغیر قصر نبوت نامکمل تھا اور اس ذات نے آکر اسے مکمل کیا وہ ذات ہی سب سے افضل ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو سید الانبیاء ہیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے اگر کسی کو نداء کی تو ذاتی نام سے پکارا جیسے

فرمایا۔" یـادم اسکن انت وزوجلك الجنة "اے آدم! تم ٹھہر جاؤ اور تمہاری زوجہ جنت میں۔" ونـادینـاہ ان یـا ابراهیم "ہم نے اسے پکارا یعنی اے ابراہیم۔" یـا موسی انی انا ربك "اے موسیٰ بیشک میں تیرا رب ہوں۔

۔لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نام سے کہیں نہیں پکارا یعنی "یا محمد" نہیں کہا، بلکہ "یاایھا النبی" (اے نبی) "یاایھا الرسول" (اے رسول) اور اس قسم کے صفاتی نام سے پکارا جو آپ کی افضلیت پر واضح دلیل ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

تنبیہ: راقم بغیر ضرورت شعری کے "یا محمد" کا اسی وجہ سے قائل نہیں کہ اس میں وہ ادب نہیں پایا جاتا جو آپ کے صفاتی ناموں سے آپ کو پکارنے میں ادب پایا جاتا ہے اس لئے مساجد میں "یا اللہ، یا محمد" کے کتبے لگانے کی بجائے "یا اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ، یا رحمۃ للعلمین" کے کتبے لگائے جائیں۔

(۲۰) راقم کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء کرام پر فضیلت کی بیسویں وجہ یہ ہے کہ آپ کو جس طرح کے اصحاب ملے ایسے جان نثار صحابہ کسی اور نبی کو نہیں ملے، پھر خاص کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم جس طرح تھے اس طرح کے بلند مرتبہ یار کسی اور نبی کے نہ تھے، ان چار کو ہی آپ کے خلفائے راشدین ہونے کا شرف ملا۔

اعتراض: انبیاء کرام کو عظیم معجزات ظاہر طور پر عطاء کئے گئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء نہیں ہوئے حضرت آدم کو فرشتوں نے سجدہ کیا آپ کو سجدہ نہیں کیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ آپ پر گلزار بن گئی یہ مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے براہ راست کلام فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم کیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں، انسانوں اور پرندوں کی بادشاہی عطاء کی گئی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کی طاقت دی گئی، یہ تمام معجزات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء نہیں کئے گئے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام پر فضیلت

حاصل ہے؟

جواب: آدم کو فرشتوں نے سجدہ کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو نبی کریم ﷺ پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے " آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ " آدم اور ان کے ماسوا سب ہی قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں " کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینتہ " میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا۔

" ونقل ان جبرئیل اخذ برکاب محمد ﷺ لیلۃ المعراج وھذا اعظم من السجود " اور بیان یہ کیا گیا ہے کہ معراج کی رات کو جبرائیل نے نبی کریم ﷺ کی رکاب کو پکڑا تو آپ نے اس میں اپنے پاؤں مبارک کو ڈالا' یہ فرشتوں کے سجدہ کرنے سے بھی عظیم مقام ہے۔

وایضا انہ تعالیٰ صلی بنفسہ علی محمد وامر الملائکۃ والمؤمنین بالصلوۃ علیہ وذلک افضل من سجود الملائکۃ" اور وجہ یہ بھی واضح ہے کہ رب تعالیٰ خود نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہے یعنی رحمت خاصہ نازل فرماتا ہے اور فرشتوں کو بھی حکم دیتا ہے درود شریف پڑھنے کا۔ نبی کریم ﷺ کو جو یہ مقام حاصل ہے' یہ آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے سے افضل ہے۔

درود پاک کو سجدہ پر افضلیت چند وجہ سے حاصل ہے:

" الاول انہ تعالیٰ امر الملائکہ بسجود آدم علیہ السلام وامر ھم بالصلوۃ محمد ﷺ تقریباً" ایک وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ادب سکھانے کے لئے لیکن نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنے کا حکم دیا کہ اس سے تمہیں رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہوگا، ان کے وسیلہ سے میرا قرب حاصل ہوگا۔

والثانی ان الصلوۃ علی محمد ﷺ دائمۃ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ پر درود

الی یوم القیامة واما سجود الملائکة لادم علیه السلام ما کان الا مرة واحدة

پاک پڑھنے کا حکم ہمیشہ قیامت تک ثابت ہے اور آدم کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو صرف ایک مرتبہ تھا۔

الثالث ان السجود لادم انما تولاہ الملائکة واما الصلوة علی محمد ﷺ فانما تولاها رب العالمین ثم امر بها الملائکة والمؤمنین

تیسری وجہ یہ ہے آدم کو سجدہ کرنے کا والی صرف فرشتوں کو بنایا، لیکن نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کی ولایت خود رب العالمین نے اپنے پاس رکھی کہ وہ خود نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھتا ہے یعنی رحمت خاصہ کا آپ پر نزول فرماتا ہے، پھر فرشتوں اور مومنوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر درود پڑھیں۔

والرابع ان الملائکة امروا بالسجود لادم لاجل ان نور محمد ﷺ فی جبهة آدم

چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہی اس لئے دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا نور حضرت آدم کی پیشانی میں رکھا گیا تھا۔

ان تمام وجوہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دینے کے باوجود افضلیت نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل رہی۔ (از کبیر)

بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا علم نبی کریم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے کیونکہ ان کے علم کو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا: "وعلم آدم الاسماء کلها" آدم کو سکھائے تمام چیزوں کے نام۔ پھر یہ کہ آدم علیہ السلام کا معلم خود رب تعالیٰ ہے اور نبی کریم ﷺ کا معلم جبرائیل علیہ السلام ہیں، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا "وعلمه شدید القوی" آپ کو شدید طاقت والے (جبرائیل) نے علم عطا کیا لیکن جب غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم بھی زیادہ ہے اور آپ کا معلم بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے" وعلمك ما لم تکن تعلم و کان فضل الله علیك عظیما" اور سکھایا آپ کو جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اور ہے فضل اللہ

کا آپ پر بہت بڑا۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا" الرحمن علم القران خلق الانسان علمه البیان" رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، "ما کان وما کان یکون" کا بیان انہیں سکھایا۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا" ادبنی ربی فاحسن تادیبی" میرے رب نے مجھے اچھا ادب سکھایا۔

جہاں تک جبرائیل کی طرف سکھانے کی نسبت کی گئی وہ مجازی طور پر تھی، حقیقی تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی تھی، جبرائیل رب تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے تو تلقین جبرائیل کی جانب سے پائی گئی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کے رب تعالیٰ نے فرمایا" الله یتوفی الانفس "اللہ نفسوں کو فوت کرتا ہے لیکن دوسرے مقام میں فرمایا" قل یتو فاکم ملك الموت" فرما دیجئے! تمہیں ملک الموت فوت کرتا ہے، یعنی حقیقی طور پر تو موت رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور مجازی طور پر عزرائیل کی طرف بھی نسبت پائی گئی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم سے روح قبض کرتا ہے۔ (کبیر)

نوح علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے مقامات میں فرق بھی قرآن پاک کی آیات کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے نوح کے متعلق ارشاد فرمایا۔

انا ارسلنا نوحا الی قومه ان انذر قومك من قبل ان یاتیهم عذاب الیم"	بیشک ہم نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ ان کے پاس دردناک عذاب آنے سے پہلے

اور نبی کریم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا:" وما ارسلنك الا رحمة العالمین "اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔ یعنی نوح کی ابتداء عذاب سے ہوئی اور نبی کریم ﷺ کی رحمت سے۔ اور نوح علیہ السلام کی انتہاء کو رب تعالیٰ کے اس ارشاد میں دیکھیئے" رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا "اے میرے رب زمین پر کافروں کی کوئی بستی نہ چھوڑ و لیکن رسول ﷺ کی انتہاء کے متعلق رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" عسی ان یبعثك ربك مقاما محمودا" قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ پر کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ یعنی آپ کی

مقام محمود پر جلوہ گری ہوگی، آپ ہی شفاعت فرمائیں گے، یہ مقام صرف آپ کو ہی حاصل ہوگا کسی اور نبی کو یہ مرتبہ رفیعہ حاصل نہیں ہوگا۔

جب حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سب ہی آپ کو لواء الحمد کے نیچے پناہ لئے ہوئے ہوں گے تو یقیناً نبی کریم ﷺ کا مقام ان کے مقامات سے بلند ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ قرآن پاک تمام انبیاء کرام کے معجزات سے بڑا معجزہ ہے۔ 1

منھم من کلم الله {ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا}

اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں، یعنی آپ سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست بغیر واسطہ جبرائیل کے کلام فرمایا" انما الشرف فی ان یکلمہ اللہ تعالیٰ " یعنی آپ کی عظمت کو بیان ہی اس لئے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ رب تعالیٰ بندے سے کلام کرے تو یہی عظمت ہے کیونکہ ہر ایمان رکھنے والا بندہ نماز کی حالت میں رب تعالیٰ سے کلام کرتا ہی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" المصلی مناجٍ ربہ "نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ 2

دینی طلبا کرام کی توجہ کے لئے:

علامہ اشعری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا' اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا اور آپ نے جو سنا:

وھو الکلام القدیم الازلی الذی لیس بحروف ولا صوت او غیرہ — وہ کلام ازلی، کلام قدیم تھا نہ اس میں حروف تھے اور نہ ہی اس میں آواز وغیرہ تھی۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار مؤمنین کو دار آخرت میں بغیر کسی کیفیت کے حاصل ہوگا، ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ کا کلام قدیم وازلی بلا کیف سنا۔ اور علامہ ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کلام قدیم وازلی کا سننا محال ہے جو کلام موسیٰ نے سنا وہ حروف اور آواز پر مشتمل تھا۔ 3

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلافی مسائل میں کئی مسائل میں، بس راقم کا ذہن اس مسئلہ کی طرح علامہ اشعری رحمہ اللہ کی طرف کیوں منتقل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب"

1۔ ماخوذ از کبیر بزیادۃ 2۔ ماخوذ از کبیر 3۔ ایضاً

فائدہ جلیلہ: اگر چہ موسیٰ علیہ السلام کا رب تعالیٰ کا کلام براہِ راست سننا آپ کا درجہ رفیعہ ہے لیکن اس سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے معراج کی رات لامکاں پر بلا کیف کلام فرمایا، جسے رب تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ "فاوحیٰ الی عبدہ مااوحیٰ" وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔ یہ معراج کی رات کا ہی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے براہ راست کلام فرمایا نہ وہاں جبرائیل ہے اور نہ ہی کوئی اور فرشتہ، صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے اور مصطفیٰ کریم ﷺ ہیں۔ رب تعالیٰ نے کتنے علوم آپ کو عطاء فرمائے اور مصطفیٰ کریم ﷺ نے کتنے علوم حاصل کیے، یہ صرف خدا اور اس کے حبیب ﷺ کو معلوم ہے، دوسرا کوئی نہیں جانتا۔

اعتراض: رب تعالیٰ کا کسی سے کلام کرنا اعزاز کیسے ہے؟ جب کہ رب تعالیٰ نے کلام ابلیس سے بھی فرمایا۔ ابلیس نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا" انظرنی الی یوم یبعثون" مجھے مہلت دے اس دن تک جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا "قال فانك المنظرین الی یوم الوقت المعلوم" بیشک تمہیں مہلت ہے مقرر دن تک، اس طرح رب تعالیٰ نے ابلیس سے اور بھی کلام فرمایا، اگر رب تعالیٰ کا کلام کرنا اعزاز ہوتا تو یہ اعزاز ابلیس کو بھی حاصل ہوتا۔

جواب:

ان قصة ابلیس لیس فیها ما یدل علی انه تعالٰی قال تلك الجوابات معه من غیر واسطة فلعل الواسطة كانت موجودة (تفسیر کبیر)	ابلیس کے واقعہ میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جو اس پر دلالت کریں کہ رب تعالیٰ نے ابلیس سے کلام بغیر کسی واسطہ کے کیا بلکہ یہ کلام فرشتوں کے واسطہ سے تھا۔

راقم کہتا ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ رب تعالیٰ نے ابلیس سے بغیر کسی واسطہ کے کلام فرمایا تو پھر بھی ابلیس سے کلام کی انتہاء کو دیکھا جائے جس میں یہ ذکر ہے "فاخرج منها فانك رجیم" نکل جا یہاں سے بیشک تو راندہ ہوا ہے۔ یہ کلام زجر و توبیخ پر مبنی ہے یعنی رب تعالیٰ کا کلام ابلیس سے اسے ذلیل کرنے کے لئے تھا، لیکن موسیٰ علیہ السلام سے کلام ان کی عزت

افزائی کیلئے تھا۔

تنبیہ: حضرت آدم علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے کلام جنت میں فرمایا اور نبی کریم ﷺ پر لامکاں پہ دنیا میں کلام کرنے کی فضلیت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ اس لحاظ پر آپ کی جزوی خصوصیت بن جائے گی۔ لیکن یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے براہ راست کلام فرما کر آپ کو فضلیت عطاء فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ سے بھی کلام فرما کر ان کو بھی منازل رفیعہ عطاء فرمائے۔

ورفع بعضھم درجات: "اور بلند کیے ان میں کسی بعض کے درجے"

چونکہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ بہت خوب ہے، آپ رقمطراز ہیں اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا" راقم نے بھی اپنے ترجمہ میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی۔ تاہم لغوی ترجمہ کو بھی مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی۔

اعتراض: اگر "ورفع بعضھم درجات" سے مراد نبی کریم ﷺ ہوں تو ان الفاظ مبارکہ اور "فضلنا بعضھم علی بعض" کا مفہوم ایک ہوگا، یہ تکرار ہوگا، تکرار کا کیا فائدہ ہوگا۔ پھر خود غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ "فضلنا بعضھم علی بعض" حکم کلی ہے، اس کے بعد اس کی جزئیات کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ "منھم من کلھم اللہ" اس کے بعد اگر "ورفع بعضھم درجات" بھی حکم کلی ہو تو کس طرح درست ہوگا؟

جواب: قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ "فضلنا بعضھم علی بعض" سے صرف یہ ثابت ہے کہ بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضلیت حاصل ہے، کچھ درجات بلند ہیں یا کثیر درجات کس شخصیت کے بلند ہیں یہ ذکر نہیں "ورفع بعضھم درجات" سے اس کی تفصیل بیان کردی کہ کوئی ہستی ان میں سے وہ بھی ہے جسے درجوں کو بلند کر دیا۔

ہاں! البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ "فضلنا بعضھم علی بعض" سے جب یہ ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کو بعض پر فضلیت حاصل ہے تو اہل علم نے قرآن پاک اور احادیث کو دیکھا

کہ سب انبیاء کرام پر کسے فضیلت حاصل ہے تو اس پر اجماع امت ہوا کہ سب انبیاء کرام سے افضل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔

رفعت درجات پر چند احادیث مبارکہ کا تذکرہ

○ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ
(رواہ مسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں تمام انبیاء سے زیادہ متبعین والا ہوں گا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں ہی کھٹکاؤں گا۔

فائدہ:

وفیہ اشعار بان اکثریۃ الاتباع توجب افضلیہ المتبوع وکذلک الامام العاصم من بین القراء فابو حنیفۃ رحمہ اللہ لہ حظ عظیم ونصیب جسیم من ذلک فان غالب اھل الاسلام من اتباعہ فی فروع الاحکام
(مرقاۃ، علی قاری رحمہ اللہ، ج 11 ص 76)

اور اس حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس ذات کے متبعین (تابعداری کرنے والے) زیادہ ہوں گے وہ ذات بھی افضل ہوگی، اسی وجہ سے قراء میں امام عاصم کے زیادہ متبعین ہیں۔ لہٰذا قراء پر افضل مقام رکھتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کے درمیان امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام بلند و بالا ہے کیونکہ فروع احکام میں عالم دنیا میں جتنے مسلمان آپ کی تابعداری کرنے والے ہیں اتنے اور کسی امام کے تابعداری کرنے والے نہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ مامن الانبیاء من نبی الاقد اعطی من الایات ما مثلہ امن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحی اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامہ
(رواہ مسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیائے کرام میں سے کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ ان کو نشانیاں عطاء کی گئیں جن کی مثل ان پر انسانوں نے ایمان لایا، مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی عطاء کی میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میری تابعداری

کرنے والے ہوں گے۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ہر نبی کو معجزات عطاء کیے گئے، جب وہ نبی دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن نبی کریم ﷺ کا معجزہ قران پاک کا ہمیشہ کے لئے موجود ہے اور باقی رہنے والا ہے جس نے ختم نہیں ہونا، اسی لئے قیامت تک آپ کی امت میں زیادتی ہوتی رہے گی۔

○ وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ اعطيت خمسا لم يعطهن احد قبلي نصرت بالرعب مسيرة شهر وجعلت الى الارض مسجدا وطهورا فايما رجل من امتي ادركته الصلوة فليصل واحلت لي المغانم ولم تحل لاحد قبلي واعطيت الشفاعة وكان النبي ﷺ يبعث الى قومه خاصه وبعثت الى الناس عامة

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں عطاء کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو بھی نہیں عطاء کی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے رعب سے میری امداد کی گئی۔ اور تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔ میری امت میں سے جس شخص پر بھی جہاں نماز کا وقت آ جائے وہاں ہی نماز ادا کرلے۔ اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا جبکہ مجھ سے پہلے کسی ایک کے لئے بھی حلال نہیں کیا گیا۔ اور مجھے شفاعت عطاء کی گئی۔ اور ہر نبی کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔

نبی کریم ﷺ کو جن خصوصیات سے نوازا گیا وہ کسی اور نبی کو نہیں عطاء کی گئیں، بعد میں کسی ولی کو عطاء کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، ہاں نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے آپ کی امت کو بالواسطہ ان انعامات سے نوازا جانا بھی آپ کی خصوصیت ہی رہے گی۔

ایک ماہ کی مسافت سے رعب سے امداد دیئے جانے کا یہ مطلب ہے:

قد اوقع الله تعالى في قلوب اعداء النبي ﷺ الخوف منه فاذا كان بينه وبينهم مسيرة

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کے دلوں میں ایسا خوف ڈال دیا تھا کہ جب آپ

شهر هابوا وفزعوا منه کسی قوم پر حملہ کرنا چاہتے تو وہ ایک ماہ کی مسافت سے ڈر کر ہی اکثر اوقات بھاگ جاتے۔

تمام زمین کو مسجد اور پاک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں پر خصوصی عبادت خانوں میں نماز ادا کرنا لازمی تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کو یہ مقام عطاء کیا گیا کہ آپ کی امت کو جہاں بھی نماز کا وقت مل جائے وہیں نماز ادا کرلیں، تمام زمین ہی ان کے لئے مسجد ہے، پہلی امتوں کے لئے تیمم جائز نہیں تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کے لئے تمام زمین کو پاکیزہ بنا دیا گیا کہ آپ کی امت پانی نہ ملنے پر یعنی تقریباً پونے دو کلومیٹر پانی دور ہونے پر یا پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہونے پر تیمم کرلیں۔

مالِ غنیمت کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں اگر مالِ غنیمت میں جانور حاصل ہوتے تو وہ امت کے لوگوں کو دے دیئے جاتے، انبیاء کرام وہ مال نہیں لے سکتے تھے، اور اگر کوئی اور مال ہوتا تو اسے ایک جگہ جمع کرلیا جاتا، قدرتی طور آگ پر آکر اسے جلا دیتی تھی۔

آگ کے جلانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ جہاد میں خالص اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ مال کی طرف ان کی توجہ نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کو ذاتی طور پر مالِ غنیمت میں حصہ دار بنایا گیا اور آپ کی امت کے غازی حضرات کو بھی مالِ غنیمت عطاء کیا گیا، آگ آکر مال کو نہیں کھاتی۔

اسی سے ایک اور بات واضح ہوگئی کہ امتِ مصطفیٰ ﷺ کی یہ عظیم شان ہے کہ مالِ غنیمت عطاء کرنے باوجود ان کی توجہ مال کی طرف نہیں ہوتی بلکہ صرف رب تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے یہ جہاد کرتے ہیں۔

شفاعت دیئے جانے کا مطلب یہ ہے "الشفاعة العامة للاراحة من المحشر" کہ آپ نے فرمایا محشر میں حساب وکتاب کے شروع کرنے کے لئے شدید حرارت سے راحت حاصل کرنے کئے لئے شفاعت کا حق مجھے ہی دیا گیا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

نبی کریم ﷺ کے ارشادگرامی " وكان النبي يبعث الى قومه خاصة " مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔ " لما تقرر في علم المعاني ان استغراق المفرد اشمل من استغراق الجمع " چونکہ " النبی " مفرد لفظ پر الف لام جنسی ذکر کیا گیا ہے، علم معانی میں اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے کہ استغراق مفرد بنسبت استغراق جمع کے زیادہ افراد کو شامل ہے کیونکہ استغراق جمع سے ایک یا دو فرد خارج ہوتے ہیں۔

وبعثت الى الناس عامة اور مجھے عام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کو تمام عرب و عجم کا رسول بنا کر بھیجا گیا، بلکہ دوسری حدیث شریف جو مسلم میں مذکور ہے، اس میں آتا ہے " وارسلت الى الخلق كافة " مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

(وارسلت الى الخلق كافة) اى الى الموجودات باسرها عامة من الجن والانس والملك والحيوانات والجمادات

(مرقاۃ علامہ علی قاری ج 11 ص 49)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، خواہ وہ جن ہوں یا انسان ہوں یا فرشتے ہوں، خواہ حیوانات ہوں یا جمادات ہوں۔

○ وعن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ ان الله زوى لى الارض فرأيت مشارقها ومغاربها وان امتى سيبلغ ملكها ما زوى لى منها

(مسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ثوبان فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا، بیشک میری امت کی ملکیت یعنی سکونت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا۔

ان آخری الفاظ کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کے

ارشاد کا مطلب یہ ہے:

ای امت من رسد در جمیع ممالک رفتہ رفتہ یعنی اسلام در جمیع ممالک خواہد رسید (اشعة اللمعات)	یعنی میری امت آہستہ آہستہ تمام ممالک میں پہنچ جائے گی، مطلب یہ ہے کہ تمام ممالک میں اسلام پہنچ جائے گا۔

ذرا غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں، ہر جگہ اسلام پہنچ چکا ہے تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو ظاہری حیات میں ہی تمام روئے زمین دکھادی گئی اور اس کا علم دے دیا گیا۔

وآتینا عیسی ابن مریم البینات { اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں }

"البینات" سے مراد کھلی نشانیاں اور معجزات ظاہرہ ہیں یعنی مردوں کو زندہ کرنا اور مادر زاد اندھے کو نظر عطا کرنا، اور برص کی مرض والوں کو شفاء عطاء کرنا" والاخبار بالمغیبات " اور آپ کو غیبی خبریں عطاء کرنا اور انجیل عطاء کرنا ہے۔ (تفسیر ابی السعود)

وایدناہ بروح القدس: {اور مدد کی ہم نے اس کی پاکیزہ روح سے}

روح قدس سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد یا تو عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی روح ہے۔"وانما وصفت بالقدس للکرامة" اسے کرامت کی وجہ سے قدس سے متصف کردیا گیا یا اس وجہ سے اسے روح قدس کہا گیا کہ وہ آباء کی صلبوں اور ماؤں کی رحموں (بچہ دانیوں) کی آلودگی سے پاک تھی۔

"وقیل بجبریل" اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ روح قدس سے مراد جبریل ہیں کہ کیونکہ ان کا لقب "روح امین" ہے آپ کو جبریل سے تقویت پہنچائی گئی۔ جبریل سے اول میں آپ کو تائید دی گئی کہ انہوں نے پھونکا تو آپ ماں کی بچہ دانی میں موجود ہو گئے۔ اور درمیان میں جبریل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لاکر علوم پہنچائے اور آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا، اور آخر میں آپ کو تقویت پہنچائی گئی کہ جب یہود نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو جبریل نے ہی آپ کی امداد کی کہ آپ کو آسمانوں پر اٹھا کر لے گئے۔ روح قدس سے مراد انجیل ہے یعنی جس طرح قرآن پاک

کالقب روح ہے، اسی طرح انجیل کالقب بھی روح ہے کہ اس سے قوت ایمانی اور حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے، روح قدس سے مراد اسم اعظم ہے جس کی وجہ سے آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔[1]

دو انبیاء کرام کے خصوصی ذکر کی وجہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے معجزات زیادہ واضح اور ظاہر تھے اور ان دونوں حضرات کی امتیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھیں اسی وجہ سے ان کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا اور ان کی امتوں کی ضمناً مذمت بھی کی گئی، گویا کہ یہ کہا گیا ہے۔

هذان الرسولان مع علو درجتهما و كثرة معجزاتهما لم يحصل الانقياد من امتهما بل نازعوا وخالفوا وعن الواجب عليهم في طاعتهما اعرضوا

(تفسیر کبیر)

کہ ان دونوں رسولوں کو رب تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطاء کیا اور ان دونوں کو کثیر معجزات عطاء کئے گئے، لیکن ان کی امتوں نے ان کی فرمانبرداری نہ کی، بلکہ مخالفت کی اور ان سے نزاع کیا۔ ان کی امتوں پر واجب تھا کہ وہ ان کی اطاعت کرتیں لیکن انہوں نے ان سے اعراض کیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے بھی کیا گیا کہ یہود کی مذمت کی گئی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ظاہر اور واضح کو دیکھ کر بھی آپ پر ایمان نہ لائے اور منکر ہی رہے گویا کہ عقل کے اندھے ہی رہے۔

1۔ ماخوذ از تفسیر ابی السعود و کبیر
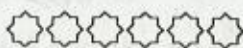
نبی کریم ﷺ کے اول الخلق اور آپ کے نور ہونے میں استاذی المکرم حضرت علامہ مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کا عقیدہ قرآن واحادیث سے:

قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین۔ تفسیر جلالین میں فرمایا (قد جاء کم من اله نور) هو نور النبی ﷺ اور تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں فرمایا:

"ای وسمی نورا لانه ینور البصائر و یهدیها للرشاد ولانه اصل کلی نور حسی و معنوی

(تفسیر صاوی، ج1 ص 239)

قول باری تعالی میں نور سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے اور آپ کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ بصائر کو اور قلوب کی آنکھوں کو منور فرماتے ہیں اور ان کو رشد وہدایت عطاء فرماتے ہیں اور آپ کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ ہی نور حسی اور معنوی کے اصل ہیں۔

یعنی نور شمس وقمر اور نور کواکب وابصار کے بھی اصل ہیں اور نور نبوت ورسالت اور نور ولایت وایمان کے بھی اصل آپ ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں علامہ محمود آلوسی حنفی بغدادی اس آیۃ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

قد جاء کم من الله نور عظیم وهو نور الانوار والنبی المختار ﷺ (الی) وقال الطیبی انه اوفق لتکریر قوله سبحانه وتعالی (قد جاء کم) بغیر عاطف فعلق به اولا وصف الرسالة والثانی وصف الکتاب ولا یبعد عندی ان یراد بالنور والکتاب المبین هو النبی ﷺ والعطف علیه کالعطف علیه

نور سے مراد نور عظیم، نور الانوار اور نبی مختار ﷺ ہیں۔ اور علامہ طیبی نے فرمایا کہ نور سے مراد ذات رسول ﷺ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے۔ "قد جاء کم" کے تکرار بلا عطف کے ساتھ یعنی جب یا اهل الکتاب قد جاء کم رسولنا ذکر کیا تو اس کے بعد واؤ عطف ذکر کیے بغیر "قد جاء کم من اللہ نور" ذکر فرمایا گیا اور حرف عطف جو

على مال الجبائي ولا شك في صحة اطلاق كل عليه عليه الصلوة والسلام ولعلك تتوقف في قبوله من باب العبارة فليكن ذلك من باب الاشارة

(روح المعانی، ج6 ص78)

مغائرت کیلئے ہوا کرتا ہے اس کا درمیان میں لانا روا نہیں رکھا گیا تو معلوم ہوا "رسولنا" اور نور کا مصداق ایک ہے اور دونوں جگہ اہل کتاب کو رسولِ منتظر اور نورِ مجسم کے تشریف لانے کی بشارت دی گئی ہے۔ پہلے قد جاء کم کے ساتھ وصف رسول کا تعلق کیا گیا ہے یعنی نور کا اور دوبارہ وصف کتاب کا (علامہ آلوسی فرماتے ہیں) میرے نزدیک اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ نور سے جس طرح ذات رسول ﷺ مراد ہے۔ کتاب مبین سے بھی آپ ہی کی ذات اقدس مراد ہو۔ رہا یہ سوال کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے تو پھر نور اور کتاب میں تغائر ہوگا اتحاد کس طرح ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی تغایر صفاتی عطف کیلئے کافی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ جبائی نے نور سے کتاب مراد لے کر یہی توجیہ کی ہے تو ہم کتاب مبین سے مراد ذات رسول ﷺ لیں تو عطف اس میں مانع نہیں ہو سکتا اور ہر دو اسماء کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر بلا شک وشبہ جائز اور صحیح ہے اور اگر تجھے عبارۃ النص کے لحاظ سے اس میں توقف ہو تو اشارۃ النص کے لحاظ سے تو اس اطلاق میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

تنبیہ: یاد رہے جبائی اور زمخشری دونوں معتزلی علماء نے نور سے مراد بھی قرآن لیا ہے لیکن عطف کو مغائرت اعتباری پر محمول کیا جس کے برعکس علامہ آلوسی نے کتاب مبین سے بھی ذات رسول مراد لی ہے اور عطف کو مغائرت اعتباریہ پر محمول کیا ہے۔ 1

استاذی المکرم کی عبارت منقولہ سے واضح ہوا کہ ابو علی جبائی نے کہا کہ نور سے مراد قرآن پاک ہے کیونکہ قرآن پاک ہدایت ویقین کے طریق کو ظاہر اور منکشف کرتا ہے۔ زمخشری بھی اسی کا قائل ہے لیکن اہلِ علم حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ابو علی جبائی اور جار اللہ زمخشری معتزلہ کے امام اور رئیس مانے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی نورانیت کے انکار میں اس حد تک متجاوز ہونا کہ معتزلہ کا مقلد بن جانا

1۔ تنویر الابصار، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی، ص 36-35

اور اکابر اہلِ سنت صاحب روح المعانی علامہ آلوسی اور ملا علی قاری اور دیگر اہلِ سنت مفسرین کرام کے اقوال سے روگردانی عقل ودانش کا کام نہیں۔(راقم)

استاذی المکرّم کا کلام جاری ہے، راقم کی چند سطور کو جملہ معترضہ سمجھتے ہوئے آنے والی عبارت استاذی المکرّم کی ماقبل عبارت سے ملا کر پڑھیے۔ جس طرح علامہ اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ہی "من باب الاشارت فی الآت" میں فرمایا:

(قد جاء کم من اللہ نور) ابرزته العنایة الالھیة من مکامن العماء (وکتاب) خطه قلم الباری فی صحائف الامکان جامعا لکل کمال وھما اشارة الی النبی ﷺ ولذلك وحد الضمیر فی قوله تعالی (یھدی به اللہ)

(روح المعانی، ج6 ص109)

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے نور جس کو عنایتِ الٰہیہ نے عماء کے مخفی مکان سے ظاہر فرمایا، اور کتاب جس کو قلم باری تعالی نے صحائف امکان میں نقش فرمایا دراں حالیکہ وہ ہر کمال کی جامع ہے اور نور و کتاب دونوں کے ساتھ اشارہ ہے نبی اکرم ﷺ کی طرف اسی لیے "یھدی به" میں واحد کی ضمیر ذکی ہے ورنہ "یھدی بھما" ذکر کیا جاتا۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

ای مانع ان یجعل النعتان للرسول صلی اللہ علیه وسلم فانه نور عظیم مکمال ظھوره بین الانوار و کتاب مبین حیث انه جامع لجمیع الاسرار و مظھر للاحکام والاحوال والاخبار۔ (شرح شفاء ج۱ ص۱۱۴)

اس سے کونسا امر مانع ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں رسول گرامی ﷺ کی نعتیں ہوں کیونکہ آپ نور عظیم ہیں واسطے کمال ظہور کے درمیان انوار کے۔ اور کتاب مبین ہیں اس لحاظ سے کہ جامع ہیں جمیع اسرار کے اور ظاہر کرنے والے

ہیں احکام واحوال اور اخبار کے لہذا دونوں صفات مصداق ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

احادیث کے ذکر سے پہلے یہ سمجھئے:

استاذی المکرم کا ایک دیو بندی مولنا یوسف رحمانی سے نور و بشر میں مناظرہ ہوا۔ جس مسئلہ کی تفصیل کیلئے کتاب تنویر الابصار کو مرتب کیا گیا۔ اس مسئلہ کی مکمل تفصیل تو کتاب میں ہی دیکھئے راقم تو چند اقتباسات پیش کر رہا ہے۔

استاذی المکرم نے اس مسئلہ میں کئی احادیث ذکر فرمائیں، میں اپنی اس تحریر میں صرف وہ احادیث نقل کرر ہا ہو جو آپ نے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب نشر الطیب سے پیش فرمائیں اور ان کی قدرے وضاحت فرمائی۔ مطلب یہ تھا کہ یہ تو تمہارے اپنے مولوی صاحب نے نقل کی ہیں۔

استاذی المکرم نے اپنا عقیدہ پیش فرمایا:

نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ازروئے حقیقت نور ہیں اور ظاہری طور پر لباس بشری میں آپ دنیا پر مبعوث ہوئے ہیں۔ نہ ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ آپ بالکل بشر ہی نہیں اور نہ یہ مانتے ہیں کہ آپ قطعاً نور نہیں!۔

اس کے بعد آپ نے ایک عبارت مدارج النبوت سے پیش کی۔ اس کے بعد مولنا قاسم نانوتوی صاحب کے قصائد قاسمیہ سے دو شعر پیش کیے اس کے بعد آپ کا ارشاد دیکھئے۔

اب میں آپ سے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ پہلے دیو بندیوں کے ہاں نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور تسلیم کیا گیا یا نہیں۔ دیو بندی عالم مولوی اشرف علی تھانوی جن کو حکیم الامت کہا جاتا ہے اور چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے اردو زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے " نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کی ابتداء ہی مولوی صاحب نے اس طرح کی ہے۔ یہاں فصل نور محمدی کے بیان میں۔ کتاب اردو زبان میں ہے جسے آپ باسانی پڑھ سکتے ہیں۔ دیکھئے یہ لکھا ہے " پہلی فصل نور محمدی کے بیان میں "اس میں

1۔ تنویر الابصار شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ص14

انھوں نے جو پہلی حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے:

پہلی حدیث:

وروی عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله قال قلت یا رسول الله بأبی انت وامی اخبرنی عن اول شئ خلقه الله تعالٰی قبل الاشیاء قال: یاجابر! ان الله تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره فجعل ذلك النور یدور بالقدرة حیث شاء الله ولم یکن فی ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولاسماء ولارض ولا شمس ولا قمر ولاجنی ولا انسی فلما اراد الله ان یخلق قسم ذلك النور اربعة اجزا فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربعة اجزاء وخلق من الاول حملة العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملائکة ثم قسم الرابع ابعة اجزاء فخلق من الاول السموات ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع اربعة اجزاء فخلق من الاول نور ابصار المؤمنین ومن الثانی نور قلوبھم وھی المرفة بالله ومن الثالث نورانسھم وھو التوحید لا الہ الا الله محمد رسول الله (الحدیث) (زرقانی ج۱ص۴۹)

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کونسی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا: "اے جابر! اللہ تعالے نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالے کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ۔ اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان اور نہ زمین تھی نہ سورج اور نہ چاند نہ جن تھے اور نہ انسان تھے پھر جب اللہ تعالے نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے اور ایک حصے سے قلم پیدا کیا دوسرے حصے سے لوح اور تیسرے حصے سے عرش۔ آگے حدیث طویل ہے۔

غور کیجئے! بشریت پیدا ہوئی آگ پانی مٹی اور ہوا سے لیکن آگ بھی بعد میں بنی مٹی بھی بعد میں پیدا ہوئی اور پانی ہوا کو بھی بعد میں پیدا کیا گیا اور زمین و آسمان کو بھی بعد میں پیدا کیا گیا لیکن خود مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔ یہ ہے پہلی حدیث جو اشرف علی تھانوی صاحب نے نقل کی۔ پوچھنے والا صحابی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بیان فرمانے والے نبی پاک صاحب لولاک صلے اللہ علیہ وسلم اور اس کو نقل کرنے والے یوسف رحمانی صاحب کے اکابرین میں سے حکیم الامت اشرف علی تھانوی دیوبندی اور اس مضمون کی ساتھ حدیثیں اس نے درج کی ہیں۔ لیکن دوسری روایات کے بیان کرنے سے پہلے اس حدیث کے متعلق جو نکتہ اس نے بیان کیا ہے وہ عرض کرتا چلوں۔

ف: اس حدیث سے نور محمد کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کو حکم آتا ہے ان اشیاء کا نور محمد سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ پتہ چلا کہ واقعی اور حقیقی طور پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے پہلے پیدا فرمائے گئے مخلوق میں سے کوئی چیز نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا نہیں کی گئی۔ قلم کے متعلق بعض روایات میں اول الخلق ہونے کا ذکر ہے مگر حدیث سے واضح ہو گیا کہ آپ قلم سے بھی پہلے پیدا کیے گئے اگر لوح کے متعلق پہلے پیدا کیے جانے کی روایت ہے تو اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم لوح سے بھی پہلے پیدا کیے گئے۔ الغرض دوسری ہر شے بعد میں پیدا کی گئی اور نور محمدی سب سے پہلے پیدا کیا گیا (اور اسی کو تاج نبوت اور خلعتِ رسالت سے نوازا گیا جب ہنوز ابوالبشر حضرت آدم آب وگل کی صورت میں تھے، لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور ہے اور یہ حقیقت سب سے پہلے موجود تھی البتہ لباس بشری کے لحاظ سے نبی پاک علیہ السلام اولاد آدم علیہ السلام سے بھی ہیں اور انسان بھی مرد بھی اور متاخر بھی۔

سوال: رہا یہ سوال کہ نور ہیں تو بشر کس طرح ہو سکتے ہیں اور بشر ہیں تو نور کس طرح ہو سکتے ہیں؟

جواب: میں آپ کے سامنے کے ایک چھوٹی سی مثال عرض کر کے یہ حقیقت واضح کرتا ہوں کہ نور اور بشریت کا اکٹھا پایا جانا محال اور ناممکن نہیں ہے آپ راتوں کو گھروں سے باہر نکلیں تو کھیتوں میں

چمکتا ہوا ایک کیڑا نظر آتا ہے جس کو جگنو کہتے ہیں یہ حیوان کی جنس سے ہے حشرات الارض کی قسم ہے خاکی پتلا اور کیڑا ہے مگر اس میں نور بھی ہے اگر جگنو میں حیوانیت اور خاکی پتلا ہونا اس کے نورانی ہونے کے منافی نہیں دونوں چیزیں اس میں یکجا ہیں اور یہاں کسی دیوبندی وہابی کو استحالہ نظر نہیں آتا اور یہ اجتماع ناممکن دکھائی نہیں دیتا تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نور بھی ہو اور بشری لباس اور انسانی لباس میں بھی ہوں تو اس میں کون سی ناممکن اور محال چیز وقوع پذیر ہو جائے گی۔

الغرض میں اپنے گھر کا حوالہ پیش نہیں کر رہا ہوں بلکہ علماء دیوبند میں سے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب کا حوالہ پیش کر رہا ہوں۔ اگر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نور ماننے والا گمراہ اور بدعقیدہ ہے تو سب سے پہلے اشرف علی تھانوی گمراہ ہے جس نے اردو میں کتاب لکھ کر ہر اردو خواں کو اپنا عقیدہ بتلا دیا کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں (کتاب لکھنا جائز، چھاپنا بھی جائز اور اس کا فروخت کر کے پیسہ کمانا بھی جائز مگر اس میں درج عقیدہ بیان کرنا ناجائز اور وہ عقیدہ اپنانا گمراہی اور بے دینی) ۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

اگر اس کتاب میں مذکورہ عقیدہ درست نہیں تو یہ کاروبار تجارت بھی حرام اور ناجائز اور یہ جائز ہے تو پھر عقیدہ بھی درست اور صحیح ہے۔

دوسری حدیث:

اب دوسری حدیث عرض کرتا ہوں:

عن العرباض بن سارية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال اني عند الله مكتوب خاتم النبين وان آدم لمنجدل في طينته

(مشکوۃ شریف ص 513 مواہب مع زرقانی ص 39)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک میں حق تعالے کے نزدیک خاتم النبیین ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام ہنوز اپنے خمیر میں ہی پڑے تھے (یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا)۔

روایت کیا اس کو احمد اور بیہقی نے اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد بھی کہا ہے، اور مشکوۃ میں شرح السنہ سے بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ (نشر الطیب ص ۷)

اس حدیث پاک سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تحقیقاً آدم علیہ السلام سے قبل نبی ہونا بھی ثابت اور خاتم النبیین کے منصب پر فائز ہونا بھی ثابت، موجود ہونا بھی ثابت اور آپ کی حقیقت کا نور ہونا بھی ثابت، کیونکہ بشروں کا باپ بعد میں پیدا کیا جا رہا ہے اور آپ کی حقیقت پہلے ہی موجود و متحقق تھی اور ان صفات کمال کے ساتھ موصوف و متصف۔ اس مقام پر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا بیان کردہ نکتہ اور ایک توہم کا ازالہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ شاید مراد یہ ہے کہ میرا خاتم النبیین ہونا مقدر ہو چکا تھا سو اس لیے آپ کے وجود کا تقدم آدم علیہ السلام پر ثابت نہ ہوا۔ جواب یہ ہے اگر یہ مراد ہوتی تو آپ کی کیا تخصیص تقدیر تمام اشیاء مخلوقہ کی ان کے وجود سے مقدم ہے پس یہ تخصیص خود دلیل ہے اس کی کہ مقدر ہونا مراد نہیں بلکہ اس صفت کا ثبوت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کسی صفت کا ثبوت فرع ہے مثبت لہ کے ثبوت کی پس اس سے آپ کے وجود کا تقدم ثابت ہو گیا اور چونکہ مرتبہ بدن متحقق نہیں تھا اس لئے نور اور روح کا مرتبہ متعین ہو گیا۔

اس سوال و جواب نے واضح کر دیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت محض علم الٰہی کے لحاظ سے نہیں تھی بلکہ خارج اور واقع میں آپ کا نور انور اور روح اقدس اور حقیقت محمدیہ اس صفت کمال کے ساتھ موصوف و متصف تھی اور یہی ہمارا نظریہ و عقیدہ ہے کہ بشریت کے لحاظ سے اولاد آدم بھی ہیں۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے اصل موجودات ہیں اور بنیاد آدم علیہ السلام و علی سائر الانبیاء وسلم۔ یہی تھانوی صاحب ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں سوال یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام موجود ہوتے تو ان کے خاتم کا موجود ہونا بھی متصور ہو سکتا تھا جب ان کا بلکہ ان کے والد اور معد و اصل کا ہی وجود نہیں تھا تو آپ خاتم النبیین کس طرح ہو گئے تھانوی صاحب کی زبانی سوال و جواب ملاحظہ کریں۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس وقت ختم نبوت کے ثبوت کے بلکہ خود نبوت ہی کے ثبوت کے کیا

معنی کیونکہ نبوت آپ کو چالیس برس کی عمر میں عطا ہوئی چونکہ آپ سب نبیوں کے بعد مبعوث ہوئے اس لئے ختم نبوت کا حکم کیا گیا۔ یہ وصف تو خود تاخیر کو مقتضی ہے جواب یہ ہے کہ یہ تاخیر مرتبہ ظہور میں ہے مرتبہ نبوت میں نہیں جیسے کسی کو تحصیلداری کو عہدہ آج مل جائے اور تنخواہ بھی آج ہی سے چڑھنے لگے مگر ظہور ہو گا کسی تحصیل میں بھیجنے کے بعد۔

یعنی جس طرح تحصیلدار کے منصب کا لوگوں کو علم اس وقت ہو گا جب وہ تحصیل میں جا کر چارج سنبھالے گا وہ اس وقت معلوم کریں گے کہ یہ ہمارے تحصیلدار صاحب ہیں حالانکہ سرکار کے نزدیک وہ اس وقت سے تحصیلدار ہے جب سے اسے نامزد کیا گیا ہے تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالے کے نزدیک خاتم النبیین کے مجرتبہ پر اس وقت فائز ہو چکے تھے جب آدم علیہ السلام ہنوز عالم آب وگل میں تھے، اگر چہ لوگوں کو اس وقت پتہ چلا جب آپ کو ظہور ہوا۔ الغرض ظہور اگر چہ بعد میں ہوا لیکن وجود پہلے تھا اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقت نوریہ کے لحاظ سے آپ اصل موجودات اور بنیاد آدم علیہ السلام ہیں اگر چہ ظہور اور نشاۃ دنیویہ کے لحاظ سے آدم ہیں۔ اب تک دو حدیثیں آپ سن چکے اب تیسری حدیث سنئے دو صحابیوں یعنی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہما کی گواہی اور شہادت پہلے آچکی۔ اب تیسری شخصیت حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور گواہی سماعت فرمائیے۔

تیسری حدیث:

عن ابی هريرة قال قالو يا رسول الله متى وجبت لك النبوة قال وادم بين الروح والجسد.

(رواہ الترمذی' مشکوۃ شریف ص 513' زرقانی ج 1 ص 34)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، یا رسول اللہ! آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہو چکی تھی۔ آپ نے فرمایا: "جس وقت میں کہ آدم علیہ السلام ہنوز روح اور جسد کے درمیان تھے یعنی ان کے تن میں جان نہیں آئی تھی۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس حدیث کو حسن کہا اور ایسے ہی الفاظ میسرہ ضبی کی روایت میں بھی آئے ہیں امام احمد نے اپنی سند میں اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پوچھنے اور سوال کرنے سے کہ آپ کب سے نبی بنے ہو پتہ چل گیا کہ جن کے گھر آپ پیدا ہوئے اور عمر شریف کے چالیس سال گذارے تھے اور اس قدر طویل عرصہ گذارنے کے بعد نبوت کا اعلان فرمایا جب وہ اس طرح کا سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کب سے نبی ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے ایمان نے گواہی دی کہ نبی اکرم ﷺ نے اگرچہ نبوت کا اعلان اور اظہار چالیس سال کے بعد کیا لیکن آپ نبی بنے ہوئے پہلے کے تھے۔ اسی لیے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اعلان نبوت ورسالت کب فرمایا، بلکہ پوچھا ہے؟

متی وجبت لك النبوة یا رسول الله! (آپ کے لئے اے رسول اللہ! نبوت ثابت کس وقت سے ہے۔ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا روح ابھی ان کے جسم میں پھونکا نہیں گیا تھا صحابہ کرام کے اس نظریہ وعقیدہ پر مہر تصدیق ہے کہ تم نے درست سمجھا واقعی میں عمر شریف کے چالیس سال گذار کر نبی نہیں بنا بلکہ اس وقت سے یہ منصب اور اعزاز مجھے حاصل ہے جب کہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے تن بدن میں جان نہیں آئی تھی۔

اس روایت کو ترمذی شریف میں نقل کیا گیا ہے اور ترمذی شریف حدیث کی وہ کتاب ہے جس کے متعلق محدثین نے فرمایا، جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہو وہ یوں سمجھے کہ رب تعالے کا رسول میرے گھر میں موجود اور تشریف فرما ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نہ موضوع ومن گھڑت کہا ہے اور نہ ہی ضعیف بلکہ انھوں نے اس کو حسن کہا ہے اور حدیث حسن حجت ودلیل اور سند ہو سکتی ہے۔ اور پھر اشرف علی تھانوی نے تصریح کردی کہ میسرہ ضبی کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ آتے ہیں گویا یہ روایت دو صحابیوں سے مروی ہوئی اور اس طرح کل چار صحابیوں کی شہادت اور گواہی اب تک آچکی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور حضرت آدم علیہ

السلام کی تخلیق وایجاد سے پہلے نبوت ورسالت اور خاتم النبین کے منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

علاوہ ازیں اس کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند میں ذکر کیا ہے جو اہل سنت کے چوتھے امام ہیں اور ابو حنیفہ مالک اور شافعی کے بعد ان کا درجہ ہے۔ پھر امام بخاری نے اس کو اپنی تاریخ میں امام بخاری کے استاد ابو نعیم نے اس کو حلیہ میں نقل کیا ہے۔ اور حاکم جیسے محدث نے اس کی تصحیح کی حاکم وہ محدث ہے جس نے بخاری ومسلم سے رہ جانے والی صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور اس کتاب کا نام مستدرک رکھا ہے۔

الغرض دو صحابیوں سے یہ روایت مروی ومنقول ہے اور وہ بھی صحیح وحسن اور دو صحابیوں کی مروی ومنقول حدیثیں پہلے درج ہو چکی ہیں تو اب تک چار صحابہ کی گواہی اور شہادت پیش کر چکا ہوں۔ دیکھئے زنا جیسا سنگین جرم چار آدمیوں کی عبادت نہیں بلکہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے چار حضرات کی شہادت اس عقیدہ نورانیت پر پیش کر چکا ہوں اور وہ بھی مخالفین کے امام وپیشوا اور ان کے حکیم الامت کا لقب پانے والے کی کتاب نشر الطیب کے حوالے سے کیا اب بھی اس مسئلہ میں شک وتردد کی کوئی گنجائش ہے اور انکار وانحراف کی۔

اب چوتھی روایت اس نشر الطیب مؤلفہ اشرف علی تھانوی صاحب کے حوالہ سے پیش خدمت ہے۔

چوتھی روایت:

وعن الشعبی قال رجل یا رسول اللہ! متی استنبئت قال وادم بین الروح والجسد حین اخذ منی المیثاق (رواہ بن سعد من روایۃ جابر الجعفی فیما ذکرہ ابن رجب)

(زرقانی ج 1 ص 39)

شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کب نبی بنائے گئے۔ آپ نے فرمایا: اس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان میں تھے جب کہ مجھ سے میثاق نبوت کا لیا گیا (کما قال اللہ تعالی: واذا اخذنا من النبین میثاقھم ومنك ومن نوح)۔

(روایت کیا اس کو ابن سعد نے جابر جعفی کی روایت سے ابن رجب کے ذکر کے موافق)۔

یہ پانچویں صحابی کی گواہی اور شہادت ہے اس عقیدہ نورانیت پر۔ اس روایت کا صحابی کا نہیں بتلایا گیا لیکن صحابہ کرام روایت کے معاملہ میں بھی عدول ہیں اور جرح سے بالاتر لہذا خواہ ان کا نام مذکورہ نہیں تو بھی روایت درست اور حجت ہے اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کے روح اور جسم کا باہمی ربط و تعلق نہیں ہوا بلکہ نہ جسم مکمل ہوا تھا اور نہ ہی اس میں حیات پیدا ہوئی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا تھا اور مجھ سے نبوت کا عہد اور میثاق ہوا تھا اشرف علی صاحب اس حدیث کے تحت ایک نکتہ بیان کرتے ہیں اور پہلی روایت میں علم الٰہی کے لحاظ سے نبی ہونے اور خاتم النبیین ہونے کا توہم کا ازالہ کرتے ہیں۔

حدیث بالا میں جو مقدر ہونے کے احتمال کا جواب دیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس جواب میں نص ہے۔ کیونکہ اخذ میثاق تو یقیناً موقوف ہے وجود اور ثبوت پر، مرتبہ تقدیر اور علم الٰہی میں میثاق ہونا نہ نقل اس کی مساعد ہے نہ عقل۔ لہذا اس روایت سے اور تھانوی صاحب کے اقرار واعتراف سے واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فی الواقع موجود تھے اور نبوت کے ساتھ موصوف تھے اور اللہ تعالےٰ نے ان سے اس وقت میثاق نبوت کا لیا جس وقت کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے اور پھر آیتِ کریمہ سے بھی ثابت کر دیا کہ آپ وجود میں مقدم تھے اور نبوت کے ساتھ موصوف ہونے میں بھی اور عہد و میثاق میں بھی اس لئے حضرت نوح علیہ السلام سے میثاق اور عہد لینے کا ذکر بعد میں کیا۔

<u>پانچویں روایت:</u>

عن علی بن الحسین عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال کنت نوراً بین یدی ربی قبل خلق ادم باربعۃ عشر الف عام۔

(زرقانی ج اول)

احکام ابن القطان میں من جملہ ان روایات کے جو ابن مرزوق نے ذکر کی ہیں (حضرت علی بن الحسین یعنی امام زین العابدین سے روایت ہے وہ اپنے باپ حضرت امام حسین سے اور وہ ان کے جد امجد یعنی حضرت علی المرتضی سے نقل

کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور ایک نور تھا۔

اس روایت میں تین آئمہ معصومین محفوظین کی شہادت وگواہی سے سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واضح ہوگیا کہ میں آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار برس پہلے نورانی حالت میں موجود تھا۔ تھانوی صاحب اس روایت کے تحت بیان فوائد کے ضمن میں یوں رقم طراز ہیں۔

ف: اس عدد میں کم کی نفی ہے زیادتی کی نفی نہیں پس اگر زیادتی کی روایت پر نظر پڑے تو شبہ نہ کیا جاوے۔ رہ گئی تخصیص اس کے ذکر میں سو ممکن ہے کہ کوئی خصوصیت مقامیہ اس کو مقتضی ہو ص ۹۔

گویا یہ مطلب نہیں کہ چودہ ہزار برس سے پہلے نہیں تھا بلکہ لاکھ سال پہلے ہونے کی روایت بھی نظر پڑے تو نہ شک وتردد کا اظہار کیا جائے اور نہ ہی اعتراض وانکار کیونکہ نبی پاک صاحب، لولاک صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار برس پہلے تھا اور نہیں فرمایا کہ اس سے پہلے نہیں تھا لہذا اگر ایک لاکھ سال پہلے نورانی وجود کے ساتھ موجود ہونے کی روایت نظر پڑے تو اس میں بھی شک نہ کیا جاوے۔ غور کیجئے، بشریت کی بنیاد بعد میں رکھی جارہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا گارامٹی بعد میں تیار کیا جارہا ہے لیکن نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء چودہ ہزار سال پہلے نورانی وجود کے ساتھ موجود ہیں اور اللہ تعالے کی بارگاہ اقدس ہیں تشریف فرمائیں۔ لہذ اہمارا عقیدہ ثابت ہوگیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حقیقت کے لحاظ سے نور ہیں جسے سب اشیاء سے پہلے پیدا کیا گیا اور ظاہری لباس کے لحاظ سے بشر ہیں۔

قل انما انا بشر مثلکم کے اندر ظاہری بشریت بیان کی گئی ہے اور یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد کے اندر اشارۃ اور قد جاء کم من اللہ نور کے اندر صراحۃً نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا نور ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالے نے اپنے ارشادہ گرامی یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً و نذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا کے اندر واضح کردیا ہے کہ میرا نبی صرف نور ہی نہیں بلکہ منیر ہے اور لوگوں کو روشنی مہیا کرنے والا ہے اور یہ وضاحت

کر چکا ہوں کہ قول باری تعالے وھل کنت الابشرارسولا ھو یا انما انا بشر مثلکم وغیرہ ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ظاہری لحاظ سے بشر کہا گیا ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے (جو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و ایجاد سے بھی ہزاروں سال پہلے موجود متحقق تھی) اور یہی عقیدہ علماء دیوبند کی زبانی عرض کر چکا ہوں جس طرح بانی دیوبند قاسم نانوتوی صاحب کا قول گزر چکا:

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کسی نے تمہیں بجز ستار
سوا خدا کے 'بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے
تو شمس نور ہے اور شپر نمط اولو الابصار

جس سے معلوم ہوا کہ جمال حقیقت اور ہے لباس اور ہے جمال حقیقت الگ ہے۔ اور بشریت صرف لباس وحجاب ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے تمہاری حقیقت کا مشاہدہ کرنا ہمارے لئے اسی طرح ناممکن ہے جس طرح چمگادڑ کیلئے اس سورج کو دیکھنا اور اس کی حقیقت کا مشاہدہ کرنا[14]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اول ظہور:

یعنی سب سے پہلے تخلیق رسول اللہ ﷺ کی ہے۔

سوال: سب سے پہلے اندھیرے کے چھٹ جانے پر کس چیز کا موجودات میں ظہور ہوا۔

جواب: شیخ تقی الدین بن ابی المنصور نے فرمایا:

" ان اول ما ظھر بعد فتق العماء ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلستحق بذلک الاولیۃ الأولیات فھو ابو الروحانیۃ کلھا کما کان آدم علیہ السلام ابا الجسمانیات کلھا"
(الیواقیت والجواہر ج2 ص335)

"بے شک سب سے پہلے اندھیرے کے چھٹ جانے پر حضرت محمد ﷺ ظاہر ہوئے۔ سب سے اولیت آپ کو حاصل ہے آپ روحانی لحاظ پر سب کے باپ ہیں جس طرح آدم علیہ السلام جسموں کے باپ ہیں۔"

سوال: ایک حدیث میں ذکر ہے "اول ما خلق الله نوری" اور دوسری حدیث میں ذکر ہے "اول ما خلق العقل"۔ ان دونوں میں تطبیق کیسے؟

جواب:

"ان معناهما واحد لان حقيقة محمد تارة يعبر عنها بالعقل الاول وتارة بالنور" "بیشک دونوں حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ مراد اس سے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت ہے۔ اسے ہی کبھی عقلِ اول سے تعبیر کر دیا گیا اور کبھی نور سے۔"

(الیواقیت والجواہر ج 2 ص 339)

اس مسئلہ کی وضاحت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ گولڑوی یوں فرماتے ہیں:

آپ کے حضرت کے ارشاد سے پہلے ایک بات ذہن نشین کر لیجیے "جو چیزیں محال بالذات ہیں وہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہوں تو رب تعالیٰ کی شان اور قدرت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ اشیاء اس قابل نہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں (راقم)۔

اوّلیت مصطفیٰ دلیل ہے امتناعِ نظیر پر:

امتناعِ نظیر کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مثل پیدا کرنا رب تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہے۔

مقدمات:

(۱) ممتنعات ذاتیہ کا احاطہ قدرت سبحانہ تعالیٰ سے خروج کمال ذات باری تعالیٰ پر دھبہ نہیں لگاتا بلکہ یہ قصور راجع بجانب قابل ہے کہ ممتنع ذاتی قبولیت کا صالح نہیں۔

(۲) انقلاب حقائق واقعیہ کا خواہ معدودات سے ہوں مثل انسان، فرس، بقر، غنم کے یا مراتب عددیہ سے ہوں مثل ایک دو تین چار کے۔ یا مراتب مختلط یعنی معدود بحیثیت عروض مرتبہ عددیہ مثلاً زید جو اول مولد ہے بنسبت باقی اولاد عمرو کے ممتنع بالذات ہیں۔

(۳) کسی چیز کی نظیر اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ علاوہ مشارکت نوعی کے اوصاف ممیزہ کاملہ میں اس چیز کی ہم پلہ ہو۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحسب الحقیقۃ الروحانیۃ النوریۃ اول مخلوق ہیں۔ "اول ما خلق اللہ نوری" "اول ما خلق اللہ العقل" تصریحات محققین از اہل کشف وشہود اس پر شاہد ہیں۔

کما قال الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطھر " فلم یکن اقرب الیہ قبولا فی ذلک الھباء الا حقیقۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم المسماۃ بالعقل فکان مبدء العالم بأسرہ واول ظاھر فی الوجود فکان وجود من ذلک النور الالھی"

شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں " نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا یا یہ ارشاد کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا یا یہ ارشاد کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔

ان دونوں کا مطلب ایک ہے۔ شیخ قدس سرہ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے وہی نور جس کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور حقیقت محمدیہ کہلایا اسی کا نام عقل بھی ہے جو تمام عالم کا مبدا ہے۔ تمام جہان سے پہلے اسی نور کا وجود ہے اور وہ نور الٰہی سے معرض وجود میں آیا ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوّلیت کی صفت سے متصف ہیں اس طرح آخریت کی صفت سے متصف ہی کہ آخر الانبیاء ہیں قال اللہ تعالی ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

مقام توجہ!

اہلِ بصیرت کو ان مقدمات پر گہری نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وجود ممتنع بالذات بایں معنی ہے کہ خالق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ایسا بنایا اور ایسی کاملہ ممیزہ مختص صفات کے ساتھ سنوارا ہے کہ جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ درصورت فرض وجودِ نظیر انقلاب حقیقت لازم آتا ہے کیونکہ فرض نظیر کو وجود آپ کے بعد ہی ہوگا۔

تو لامحالہ ایسا معدود ہوگا جس کو مرتبہ ثانیہ عدد عارض ہو اور نظیر کہلانے کا مستحق جب ہی ہوسکتا ہے کہ وصف ممیز کامل یعنی اول مخلوقیت وختم نبوت میں مشارک ہو تو معروض مرتبہ ثانیہک ا معروض مرتبہ اول کا ہو۔ (یہ ممتنع بالذات ہے ایسا ہو نہیں سکتا)۔

ایسا ہی بلحاظ خاتمیت فرض کیا کہ آپ مثلاً چھٹے مرتبہ میں ہیں تو نظیر آپ کی معروض ساتویں مرتبہ کو شمل ہو کہ معروض مرتبہ سادسہ کی ہوگی "وھو خلف" (یعنی یہ حقیقت کے خلاف ہے)۔ ہاں! اس میں شک نہیں کہ ممتنعات ذاتیہ میں سے دو قسم اولین اور قسم ثالث میں فرق ظاہر ہے کیونکہ قسم ثالث کا امتناع اوصاف عارضہ کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے محل بحث امتناع یا امکانِ نظیر ہے نہ کہ امتناع یا امکان مثل۔

خلاصہ یہ ہے کہ آئینہ احمد ﷺ میں خالق عزمجدہ نے جداگانہ کمال دکھایا۔ یعنی ایسا بنایا کہ نظیرش امکان ندارد جس کی نظیر ممکن نہیں۔

فھذا الکمال راجع الیہ سبحانہ کمال الجمال مختص بہ من منع اللہ تعالی سبحان من خلقه واحسنه واجلمه واکمله

(فتاوی مہریہ ص 9)

نبی کریم ﷺ کو اس شان سے پیدا کرنا درحقیقت رب تعالی کا ہی کمال ہے۔ جس طرح یہ شان اور جمال نبی کریم ﷺ میں مختص ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالی کی عطاء سے ہی ہے وہ ذات پاک جس نے آپ کو اس جداگانہ شان سے بنایا اور آپ کو سب سے زیادہ حسین بنایا اور سب سے زیادہ جمیل بنایا اور سب سے زیادہ باکمال بنایا۔

خلاصہ کلام:

نبی کریم ﷺ کو رب تعالی نے سب کائنات سے اول معرض وجود میں لایا اور آپ کو خاتم الانبیاء بنایا اگر آپ کی نظیر کوئی اور بھی بن سکے تو اسے بھی یہ دونوں وصف حاصل ہوں گے۔ حالانکہ اول تو ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد آنے والے تو دوسرے درجہ میں ہو جاتے ہیں اور اسی طرح خاتم بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کی بعد کسی کو اگر خاتم کہا جائے تو پہلی ذات کا خاتم ہونا باطل ہوگا یہ دونوں صورتیں ممتنع بالذات ہیں۔

ممتنع بالذات قدرت باری تعالیٰ سے خارج ہیں ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ یہ رب تعالیٰ کی قدرت میں آسکیں۔ ان کا رب تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہونا رب کی قدرت میں کوئی فرق نہیں پیدا کرتا۔

نبی کریم ﷺ کی نبوت:

سوال: نبی کریم ﷺ کے ارشاد "کنت نبیاء آدم بین الماء والطین" کا کیا مطلب ہے؟ نبی کریم ﷺ خبر تو رب تعالیٰ کی طرف سے دیتے ہیں تو آپ کی یہ خبر کس طرح صحیح ہے کہ آپ کی اپنی پیدائش اور باقی انسانوں کی پیدائش سے پہلے آپ نبی تھے۔ نبی تو آتے ہیں کہ لوگوں کو رب تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور رب تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ جن کو خبر دینی تھی وہ موجود ہی نہیں تھے تو آپ کے نبی ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات کے باب نمبر ۳۰۵ میں ذکر فرمایا ہے:

"معناه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعرف ذاته بذاته باذن الله في غير مجلى قبل اخذ الميثاق وهو الحال التى كان فيها يعرف نبوته وذلك قبل خلق آدم كما اشار اليه الحديث المذكور"

(الیواقیت والجواہر ج2 ص335)

مطلب اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کی ذات کو پہچانتی تھی سوائے تجلیات کے ظہور کے یہ آدم علیہ السلام کو پشت سے آپ کی ذریت کو نکال کر میثاق لینے کے ظہور سے پہلے کی بات ہے یہ وہ حال ہے جس میں نبی کریم ﷺ اپنی نبوت کو پہچانتے تھے جب کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق نہیں ہوئی تھی۔ اسی حال کے متعلق آپ کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے۔"

سوال: آدم علیہ السلام کو کیا معلوم تھا کہ میری پیٹھ میں صورتیں (میری ذریت) رکھی گئی ہیں ان سے وعدہ لیا جائے گا؟

جواب:

لم يكن له علم كما انه لا علم لفلك من الأفلاك التي فيها صورة من صورنا بهافمن فلك من الأفلاك التسعة الا وللانسان صورة فيه فيحفظها ذالك الفلك الى وصول وقتها"

آدم علیہ السلام کو اس کا علم نہیں تھا جیسے افلاک میں سے کسی فلک کو ہماری صورتوں کو علم نہیں جو ان میں رکھی گئی ہیں۔ افلاک میں سے کوئی فلک ایسا نہیں جس میں ہر انسان کی صورتیں نہ پائی جاتی ہو ہر فلک میں انسانوں کی صورتیں پائی جاتی ہیں وہ فلک ان کی ان کے وقت پہنچنے تک حفاظت کرتا ہے یعنی انسانوں کی پیدائش سے پہلے ہی ان کی صورتیں ہر فلک میں محفوظ ہیں یہاں تک کہ پیدائش کے وقت ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔

وہ صورتیں مختلف اشکال میں ہونے کے باوجود ایک صورت میں ہی افلاک میں پائی گئی ہیں حالانکہ ان میں کوئی طویل ہیں کوئی عریض۔ کوئی استقامت میں ہیں اور کوئی ٹیڑھی۔ کوئی گول ہیں کوئی مربع کوئی مثلث، کوئی صغیر کوئی کبیر۔ ہاں! البتہ جب وہ منکشف ہوتی ہیں یا آنکھ سے دکھائی دیں تو ان کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی حیثیات:

(۱) آپ کا مرتبہ عالیا میں پایا جانا:

"انه ﷺ كان يعرف ذاته بذاته من غير مجلى بأذن الله تعالى واذا كان بهذه المثابة لم تؤثر فيه المراتب اذا نالها قال ﷺ وهو في مرتبة العليا انا سيد ولد آدم ولا فخر، فلم تحكم فيه المرتبة"

بیشک نبی کریم ﷺ تو مراتب مؤثر نہیں تھے۔ اس درجہ کو حاصل کرنے میں آپ نے مرتبہ علیا کو پالیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "تمام اولاد آدم کا سردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اس میں کسی مرتبہ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ مخلوق میں کسی کو مرتبہ یہ حاصل ہی نہیں۔

(۲) درجہ رسالت وخلافت:

جب آپ دوسرے وقت میں درجہ رسالت وخلافت میں تھے تو آپ نے رب تعالی

کے حکم سے یہ ارشاد فرمایا" قل انما انا بشر مثلکم " آپ فرمادیجئے! میں تو بشر ہی ہوں تمہاری طرح۔

شیخ کی عبارت سے ہٹ کر علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کا ارشاد آسان لفظوں میں پیش کر رہا ہوں۔ انسان بہت زیادہ کدورت اور ظلمات جسمانیہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالی بہت زیادہ مقدس ہے اور لطیف ہے فیض لینے والے اور دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے۔ جب مخلوق میں اور اللہ تعالی میں کوئی مناسبت نہیں تھی مخلوق کا وجود میں لانا بھی رب تعالی کی مشیت تھی تو اللہ تعالی نے مخلوق کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام فرمایا کہ انبیاء کرام کو واسطہ بنایا جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالی سے فیض لے کر اپنی بشریت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچادیں۔

فقال انما انا بشر مثلکم و کان یتعوذ من الجوع فما افترق عنہا الا بقولہ یوحی الی

نبی کریم ﷺ نے حالت بشریت کے لحاظ سے بھوک سے پناہ پکڑنے کی دعاء بھی فرمائی لیکن "یوحی الی" سے نبی کریم ﷺ کی بشریت میں امتیازی شان واضح ہوگئی۔

اسی سے "کنت نبیاء و آدم بین الماء والطین " کا مطلب بھی واضح ہوگیا۔ (زیادہ اہلِ علم کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ حدیث بالمعنی ہے تخلیق اول ہونے پر احادیث بالفاظہٖ کا ذکر ان شاء اللہ بعد میں آئے گا)۔ (الیواقیت والجواہر ج 2 ص 335 تا 337)

سوال: نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بغیر کسی اور نبی کو بھی اس وقت نبوت ملی جبکہ آدم علیہ السلام کیچڑ اور پانی کے درمیان تھے؟

جواب:

"لم یبلغنا احدا اعطی ذلک انما کانو انبیاء ایام رسالتھم المحسوسۃ"

یہ خبر کہیں سے ہمیں نہیں ملی کہ کسی اور نبی کو اس وقت نبوت عطاء کی گئی۔ صحیح یہی ہے کہ تمام انبیاء کرام کو اپنے اپنے زمانہ نبوت میں نبوت عطاء کی گئی۔

سوال: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے "کنت نبیاء" تو میں اس وقت بھی نبی تھا۔ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا "کنت انسانا" میں اس وقت انسان تھا۔ یا آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا: "کنت موجودا" میں اس وقت موجود تھا؟

جواب:

"انما خص النبوة بالذکر دون غیرھا اشارة الی انه اعطی النبوة قبل جمیع الانبیاء فان النبوة لا تکون الا بمعرفة الشرع المقدر علیه من عند الله تعالی"

(الیواقیت والجواہر ج2 ص338)

جس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ کو سب انبیاء کرام سے پہلے نبوت عطاء کی گئی۔ کیونکہ نبوت عند اللہ جو شرع مقدر ہے اس کی معرفت کا نام ہے۔ (سب سے پہلے آپ نے ہی اپنی نبوت کی معرفت رب تعالیٰ سے حاصل کی)۔

خلافت ورسالت میں فرق:

ان الخلیفة هو کل من جمعت فیه هذه الصفات فأمر و نهی وعاقب وعفا وأمرنا الله تعالی بطاعته فهذا هو الخلیفة وأما الرسول فهو کل من بلغ امر الله ونهیه ولم یکن له من نفسه أمر من الله ان یأمر وینهی فی کل ما أراد فهذا رسول مبلغ رسالات ربه لا خلیفة"

(الیواقیت والجواہر ج2 ص354)

بے شک خلیفہ وہ ہے جس میں یہ صفات جمع ہوں۔ امر دینا، نہی (کسی کام سے روکنا) سزا دینا، معاف کرنا۔ اللہ نے ہمیں اس کی اطاعت کا حکم دیا۔ "یہی خلیفہ ہے" لیکن رسول ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کی تبلیغ کرے، وہ اپنی طرف سے امر ونہی کی تبلیغ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہو اور اسی نے ارادہ کیا ہو کہ وہ حکم دے یا روکے۔ یہ وہ رسول ہے جو رب تعالیٰ کے پیغام پہنچاتا ہے۔ یہ صرف خلیفہ نہیں۔

راقم نے "لا خلیفه" کا ترجمہ کیا ہے "یہ صرف خلیفہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تو واضح ہے

کہ ہر نبی خلیفہ ہے۔ ہر خلیفہ نبی نہیں۔

خلیفہ اعظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"واذا قال ربك" کے تحت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولا يخفى لطف الرب هنا مضافا الى ضميره ﷺ بطريق الخطاب وكان في تنويعه والخروج من عامة الى خاصة رمزا الى ان المقبل عليه بالخطاب له الحظ الاعظم والقسم الوفر من الجملة المخبر بها فهو ﷺ على الحقيقة الخليفة الاعظم والأمام المقدم في الارض والسماوات العلى ولولاه ما خلق آدم بل ولا ولا

رب تعالیٰ نے اپنی نسبت " ک" ضمیر کی طرف کی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس نسبت میں خصوصی کمال اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا ذکر پایا گیا ہے۔ کہ عظمت شان کے پیش نظر گویا کہ خطاب کے قابل آپ ہی ہیں گویا کہ پہلے عام لوگوں کا ذکر تھا اب اخص الخواص کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اور اسی سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ مخلوق میں حقیقت میں خلیفہ اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور زمین و آسمان میں سب سے پہلے امام آپ ہی ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو نہ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جاتا اور نہ ہی کسی اور کو پیدا کیا جاتا یعنی اگر مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پیدا کیا جاتا تو کائنات میں کوئی چیز بھی پیدا نہ کی جاتی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے سردار ابن الفارض نے حقیقتِ محمدیہ کی زبان کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا: " وانی ان کنت ابن آدم صورۃ فلی فیہ شاھد بابوتی " گویا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: بیشک میں اگرچہ ظاہری طور پر آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہوں لیکن میرے اندر وہ حقیقت موجود ہے جو میرے باپ ہونے کی شاہد ہے۔ یعنی ظاہر طور میں ابن آدم ہوں لیکن حقیقت میں اصل ہوں اور آدم علیہ السلام فرع ہیں۔ اسی لحاظ پر حقیقی ابوۃ مجھے ہی حاصل ہے۔

اعلیٰ حضرت مولنا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو کیا ہی خوبصورت انداز میں پیش فرمایا:

مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے
تخم کرم میں ساری کرامت ثمر کی ہے
ان کی نبوت ان کی ابوت ہے سب کو عام
ام البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد ہیں یہ صدا ابو البشر کی ہے

یعنی نبی کریم ﷺ تمام عالم کے معنوی طور پر باپ ہیں۔ کہ سب کچھ انہیں کے نور سے پیدا ہوا۔ اسی لئے حضور کا نام ابوالارواح ہے۔ آدم علیہ السلام اگرچہ صورت میں حضور ﷺ کے باپ ہیں مگر حقیقت میں وہ حضور کے معنوی بیٹے ہیں۔ یہی وجہ کہ ام البشر تمام انسانوں کی ماں حضرت حوا نبی کریم ﷺ کی بیٹی، حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ ہیں۔ آدم علیہ السلام جب حضور ﷺ کو یاد کرتے تو گویا کہ یوں فرماتے "یا ابنی صورۃ وابی معنی" اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الخلیفۃ من یخلف غیرہ وینوب منابہ" خلیفہ اسے کہا جاتا ہے جو کسی کے بعد اس کا جانشین بنے اور اسی طرح آپ کے بعد ہر نبی کو خلیفہ بنایا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام زمین میں نافذ کر کے زمین کو امن وسکون کا گہوارہ بنایا جائے اور لوگوں میں سیاست کی جائے اور لوگوں کو نفوس کی تکمیل کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری کیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "یا داؤد انا جعلناك خلیفۃ فی الارض" اے داؤد بیشک ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اور رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے "واذکروا اذ جعلکم خلفاء فی الارض من بعد قوم نوح" اور یاد کرو جب تمہیں نوح کی قوم کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا۔ اس سے واضح ہوا کہ زمین میں سب سے پہلے خلیفہ آدم علیہ السلام ہیں، پھر انبیاء کرام، پھر نبی کریم ﷺ کے علماء ہیں۔ (تفسیر بیضاوی وشیخ زادہ)

مصطفیٰ کریم ﷺ کا فرمان ذیشان:

عن ابی حازم قال قاعدت اباھریرۃ خمس سنین فسمعتہ یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ وانہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء

(مسلم شریف، باب وجوب الوفاء بیعۃ الخلیفۃ الاول ج2 ص134)

ابو حازم کہتے ہیں: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سال بیٹھتا رہا میں ان کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرام کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وصال فرماجاتے تو ان کی جگہ دوسرے نبی آجاتے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اسلئے (میرے بعد میری امت سے ہی) خلفاء ہوں گے۔

سیاست کی تعریف:

والسیاسۃ القیام علی الشیء بما یصلحہ سیاست کی مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی مصلحت کے کام کرنا اور خلفاء کا مطلب یہ ہے "یتولون امورھم" لوگوں کے امور کا ولی بننا۔ لوگوں کے معاملات طے کرنا، غرباء کی امداد کرنا، لوگوں کے نزاع کو دور کرنا، ہر بہتری کا کام کرنا۔ (ماخوذ از نووی شرح مسلم بر حدیث مذکور)

مقامِ افسوس! آجکل سیاست جھوٹ فراڈ کا نام بن گیا۔ جتنا بڑا جھوٹا اتنا بڑا سیاسی۔ سچی سیاست کوئی کرے تو کیا کرے۔ جب انگریز کے پٹھوؤں، غاصبوں، لیٹروں کا ڈنڈا اس کے سر پر سوار ہو۔ ملک کے باشندے جب کفار کے آلہ کار بن جائیں تو یہی حال ہوتا ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ محب وطن کو پلک جھپکتے مکار بنا دیا جاتا ہے۔ مکار اپنے آپ کو محب وطن بنا کر پیش کرتا ہے تو اس کے ہمنوا بھی اسی قسم کے نظر آتے ہیں۔ الامان والحفیظ۔

اعتراض:

ان الخلافۃ عن الغیر توھم عجز الغیر عن

کسی کو خلیفہ اس وقت بنایا جاتا ہے جب وہ

القیام بالأمر اما لغیبة او موتہ او مرضہ او نحو ذلك وھو لا یتصور فی حقہ تعالی فما وجہ الاستخلاف

شخص خود عاجز آ جائے اس نے کہیں جانا ہو تو وہ اپنی غیر موجودگی میں خلیفہ بنا دے جیسا کہ بادشاہ کسی دوسرے ملک میں جاتے ہوئے اپنا قائم مقام بنا جاتے ہیں۔

لیکن رب تعالی فرماتا ہے: "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" جب اللہ تعالی ہر شخص کی شہ رگ سے قریب ہے تو اس کے غائب ہونے کو تصور ہی ممکن نہیں۔ کبھی خلیفہ بنانے کی اس وقت ضرورت درپیش آتی ہے جب اصل فوت ہو جائے لیکن رب تعالی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ و قائم ودائم ہے۔ "حیّ لا یموت" ۔ صفت کا مالک تو اس لحاظ پر اسے خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ کبھی خلیفہ بنانے کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب اصل مریض ہو جائے یا سے کوئی محتاجی درپیش آجائے۔ رب تعالی مرض سے پاک ہے اسے کوئی اور محتاجی نہیں کہ وہ سو جائے تو اپنے سونے کی حالت میں خلیفہ بنا دے۔ جس ذات کی صفت خود اس کے اپنے ارشاد سے یہ سمجھ آئے "لا تاخذہ سنۃ ولا نوم" اسے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ تو اس ذات کو خلیفہ بنانے کی کیا ضرورت درپیش آئی؟

جواب:

لا حاجۃ لہ تعالی الی من ینوبہ بل لقصور المستخلف علیہ عن قبول فیضہ وتلقی أمرہ بغیر وسط ولذلك لم یستنبیٔ ملکا کما قال اللہ تعالی لو جعلنا ملکا لجعلناہ رجلا"

(ماخوذ از بیضاوی و شیخ زادہ)

خلیفہ بنانے کی رب تعالی کو کوئی محتاجی نہیں تھی بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنانے کا ارادہ ہو چکا تھا وہ محتاج تھے کیونکہ وہ رب تعالی سے بغیر واسطہ کے فیض حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اسی وجہ سے رب تعالی نے کسی فرشتے کو نبی نہیں بنایا۔ خود رب تعالی نے فرمایا اگر کسی فرشتے کو وہ نبی بناتا تو اسے بھی انسانی شکل میں بھیجتا۔

لوگ رب تعالی سے براہ راست فیض کیوں حاصل نہیں کر سکتے:

لما انہ فی غایۃ الکدورۃ الظلمۃ الجسمانیۃ و ذاتہ تعالی فی غایۃ التقدس والمناسبۃ شرط

فیض لینے والے اور فیض دینے والے میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے جب مخلوق میں اور اللہ

في قبول الفيض على ما جرت به العادة
الالهية فلا بدمن متوسط ذي جهتي تجرد
وتعلق يستفيض من جهة ويفيض بالاخرى

تعالیٰ میں کوئی مناسبت نہیں تھی مخلوق کو وجود میں لانا بھی رب تعالیٰ کی مشیت تھی تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے فیض لینے کا یہ اہتمام فرمایا کہ انبیاء کرام کو واسطہ بنایا جو اپنی نورانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فیض لے کر اپنی بشریت کے وصف کی وجہ سے انسانوں تک وہ فیض پہنچا دیں۔ جس طرح انسانوں کے جسموں میں ہڈیاں اور گوشت ہے۔ ہڈیاں سخت ہیں گوشت نرم ہے۔ ہڈی اپنی سختی کی وجہ سے گوشت سے غذا حاصل نہیں کر سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے ہڈیوں اور گوشت کے درمیان پٹھے بطور واسطہ رکھے۔ پٹھے اپنے نرم حصہ سے گوشت سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے سخت حصہ سے ہڈی کو غذا پہنچاتے ہیں۔ 1

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے متعلق جو مشورہ کیا۔ اس سے مراد صرف آدم نہیں اور آپ کی تمام اولاد بھی مراد نہیں بلکہ آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد سے بعض حضرات جو اس خلافت کے منصب کے اہل ہوں گے۔ یہ سب مراد ہیں اور وہ افراد آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک پیدا ہونے والے تمام انبیاء کرام و رسل کرام علیہم السلام ہیں۔

انبیاء کرام تمام ہی فرداً فرداً معصوم ہیں لیکن صدیقین، اولیاء، صالحین فرداً فرداً تو معصوم نہیں۔ البتہ اجتماعی طور پر معصوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کا اجتماعی فیصلہ امت کو قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوا کہ خلافت کا حقدار وہ ہے جس میں یہ استعداد پائی جائے تو خود واضح ہوا کہ عورت کی فطرت سلیمہ اور طبیعت مستقیمہ اس قابل نہیں کہ جمعہ یا باقی نمازوں کی امامت یا خلافت یعنی حاکمیت اس کے سپرد کر دی جائے۔ عورت اپنی فطرت اور طبعی کمزوری کی وجہ سے یہ کام سرانجام نہیں دے سکتی 2۔

1۔ ماخوذ از بیضاوی و شیخ زادہ ...... روح المعانی ...... خفاجی

2۔ التبیان مع البیان' علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ

آیئے! استاذی المکرم کا احادیث میں تطبیق ایک سوال کے جواب میں دیکھئے:

قلم اول الخلق نہیں بلکہ نور محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اول الخلق ہے۔ رحمانی صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ "اول ما خلق اللہ القلم" یہ حدیث صحیح ہے اور حضور اکرم ﷺ کے نور اقدس کے اول المخلوقات ہونے کی روایت ضعیف ہے اور صحیح کے مقابلہ میں ضعیف کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے تو مولوی صاحب کے اس ضابطہ سے بحث کرتے ہیں کہ یہ قاعدہ کس حد تک درست ہے حقیقت حال یہ ہے کہ قطعی اور ظنی میں تعارض ہو تو ظنی کو کلیۃً رد نہیں کر دیا جاتا بلکہ تطبیق کی کوشش کی جائے گی اگر تطبیق ہو سکے تو بہتر ورنہ ظنی کو ترک کریں گے مثلاً "فاقرؤ واما تیسر منہ" ارشادہ ربانی ہے جس سے نماز میں نفس قرأت کا فرض اور ضروری ہونا ثابت ہو رہا ہے خواہ کوئی بھی سورۃ ہو لیکن حدیث شریف سے ثابت ہے۔ "لا صلوٰۃ الا بفاتحہ الکتاب" کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی لیکن آیت کے مقابل ہونے کے باوجود ائمہ کرام نے حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ تطبیق اس طرح دی ہے کہ نفس قرأت فرض ہے قرآن مجید کی رو سے اور سورہ فاتحہ واجب ہے اس خبر واحد کی رو سے لہٰذا علے الاطلاق یہ قاعدہ مستعمل نہیں بلکہ پہلی شرط تطبیق کی کوشش ہے علاوہ ازیں اول ما خلق القلم میں اولیت حقیقی مراد ہو سکتی ہی نہیں۔ کیونکہ مسلم شریف میں یہ روایت اس طرح منقول ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ قال و کان عرشہ علی الماء	"سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی مقادیر لکھوا دی تھیں جب کہ اس کا عرش پانی تھا۔"

جس سے صاف ظاہر ہے کہ عرش پہلے موجود تھا۔ علاوہ ازیں قلم کو پیدا کر کے یہ حکم دیا گیا تھا۔ اکتب (لکھ)۔ اس نے عرض کیا، کیا لکھوں، تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اکتب القدر (تقدیر خداوند کو لکھ)۔ فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد (تو اس نے جو کچھ ہو چکا تھا وہ

بھی لکھ دیا اور جو قیامت تک ہونے والا تھا وہ بھی لکھ دیا) جس سے صاف ظاہر ہے کہ قلم سے پہلے مخلوقات تھی جس کو ماکان سے تعبیر کیا گیا جب یہاں اولیت ہی اضافی ہے تو اس حدیث کی آڑ میں نبی اکرم ﷺ کے نور اقدس کی اولیت سے انکار کرنے کا کیا معنی؟

علامہ علی القاری مرقات شرح مشکوۃ جلد اول ص ۱۶۶ پر فرماتے ہیں:

فی الازهار اول ما خلق الله القلم یعنی بعد العرش و الماء والریح لقوله علیه السلام کتب الله مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارضین بخمسین الف سنة و کان عرشه علی الماء (رواه مسلم) وعن ابن عباس عن قوله تعالی و کان عرشه علی الماء ای شی کان الماء قال علی متن الریح

(ازہار میں ہے کہ قلم کے اول المخلوقات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش، پانی اور ہوا کے بعد یہ پہلی مخلوق ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالے نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مقادیر خلائق کو لکھوا دیا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ میر عرش پانی پر تھا۔ تو یہ فرمایئے: پانی کس پر تھا۔ تو انھوں نے فرمایا: ہوا کی پشت پر۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا اور ابہری نے ذکر کیا۔

"فالاولیۃ اضافیہ" لہٰذا "اول ما خلق اللہ القلم" میں اولیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ تو اس صورت میں حدیثِ نور میں اولیت حقیقی ہونے سے یہ حدیث کیونکر مانع ہوسکتی ہے اور یہی تحقیق علماء اعلام اور مقتدایانِ امام نے ذکر کی ہے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا:

فالاولیة اضافیة والاول الحقیقی فهو النور المحمدی علی ما بینته فی المورد للمولد

"نور محمدی اول حقیقی ہے جس طرح کہ میں نے رسالہ میلاد "المورد للمولد" میں اس کی تحقیق بیان کی ہے۔"

اور قلم میں اولیت اضافی ہے یہی علامہ علی القاری مرقات جلد اول ص ۱۴۶ پر علامہ ابن حجر ہیتمی مکی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

قال ابن حجر اختلفت الروایات فی اول المخلوقات وحاصلها کما بینتها فی شرح شمائل الترمذی ان اول النور الذی خلق منه علیه الصلوة والسلام ثم الماء العرش اول المخلوقات۔

''ابن حجر نے فرمایا: اول المخلوقات کونسی شے ہے اس میں روایات مختلف ہیں مگر ان میں تطبیق کی صورت وہ ہے جو میں نے شمائل الترمذی کی شرح میں ذکر کی ہے کہ سب سے اول وہ نور ہے جس سے نبی اکرم ﷺ کو پیدا کیا گیا اس کے بعد پانی اور بعد ازاں عرش۔''

علامہ قسطلانی نے اس مسئلہ یعنی قلم کے اول مخلوق ہونے کی بحث کرتے ہوئے فرمایا:

قد اختلف هل القلم اول المخلوقات بعد النور المحمدی فقال الحافظ ابو یعلی الهمدانی الاصح ان العرش قبل القلم لما ثبت فی الصحیح (الی) وروی احمد والترمذی من روایة ابی رزین مرفوعاً ان الماء خلق قبل العرش وروی السدی باسانید متعددة ان الله لم یخلق شیأً مما خلق قبل الماء فیجمع بینه و بین ما قبله بان اولیة القلم بالنسبة الی ماعدا النور المحمدی والماء والعرش وقیل الاولیة فی کل بالاضافة الی جنسه ای اول ما خلق الله من الانوار نوری و کذا فی باقیها

(مواہب لدنیہ مع زرقانی ج 1 ص 47-46)

اس سوال کے جواب میں کہ آیا قلم نور محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اول المخلوقات ہے علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابویعلی ہمدانی فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ عرش قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور علامہ زرقانی نے اس کو جمہور کا مذہب مختار قرار دیا ہے کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے اور وہ حدیث ہم پہلے ذکر چکے ہیں اور احمد و ترمذی نے حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور سدی نے متعدد اسانید سے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی سے پہلے کوئی شے پیدا

نہیں فرمائی تو ان مختلف روایات میں تطبیق اور موافقت اس طرح پیدا کی جائے گی کہ قلم کا اول الخلق ہونا نور محمدی پانی اور عرش کے ماسوا کے اعتبار سے ہے اور یہ توجیہہ بھی کی گئی ہے کہ ہر شے کی اولیت اپنی اپنی جنس کے لحاظ سے ہے جتنے انوار میں سے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اور اقلام میں سے اس قلم کو اور جن اشیاء پر عرش کا لفظ بولا جاتا ہے ان میں سے اس عرش اعظم کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔"

نورِ مصطفےٰ ﷺ کے اول الخلق ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث کے صحت و قوت!!!

(ب) اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا نورِ مصطفےٰ ﷺ کی اولیت والی روایات ضعیف ہیں۔ حدیث عبدالرزاق کو لیجئے اسے امام قسطلانی نے ذکر کیا مگر ضعف کا کہیں قول نہیں کیا اور نہ اس کے شارح علامہ امام محمد بن عبدالباقی زرقانی نے کہیں ضعف کا اشارہ کیا۔ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے فتاوی حدیثیہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ جب ان سے سوال کیا گیا حدیث "اول ما خلق الله روحی والعالم باسرة من نوری کل شی یرجع الی اصله ؟ کو کس نے روایت کیا ہے تو انھوں نے جواب میں فرمایا، میں نہیں جانتا کہ کسی محدث نے اس طرح اس حدیث کو روایت کیا ہو "وانما الذی رواه عبد الرزاق انه ﷺ قال ان الله خلق نور محمد قبل الاشياء من نوره " ص ۲۴۷ اور صرف عبدالرزاق نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالے نے تمام اشیاء سے پہلے نور محمدی ﷺ کو اپنے نور سے پیدا فرمایا لیکن انھوں بھی ضعف کی طرف قطعاً کوئی اشارہ نہیں کیا۔ اور علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے اس کو حجۃ اللہ علی العالمین میں ذکر کیا ہے مگر انھوں نے بھی ضعف کے متعلق کوئی اشارہ نہیں کیا ملاحظہ ہو ص ۲۸ تا ۲۹۔

اسی طرح علامہ آلوسی نے اس کو ذکر کیا ہے اور ضعف کی طرف ذرہ بھر بھی اشارہ نہیں کیا فرماتے ہیں:

اما اشارة الى الحقيقة المحمدية والتعين الاول اشار اليه بقوله عليه السلام اول ما خلق الله نور نبيك يا جابر وبواسطته حصلت الافاضة كما يشير اليه لولاك ما خلقت الافلاك (ج ا ص ۳۸)

یعنی باءِ بسملہ میں حقیقتِ محمدیہ اور تعین اول کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف اس حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا اور آپ کی وساطت سے ہی دوسری چیزوں پر وجود وحیات کا فیضان کیا گیا ہے جیسے کہ "لولاک ما خلقت الافلاک" اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اے محبوب کریم ﷺ اگر آپ موجود نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔

الغرض! اکابر علماء ائمہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے کسی نے بھی اس کو ضعیف اور ناقابل اعتبار نہیں کہا تو یہ کتنی بڑی زیادتی ہوگی کہ اپنے خیال فاسد کے جو حدیث موافق نہ ہو اس کو ضعیف اور ناقابل اعتبار کہہ دیا جائے۔

علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۹۲ پر فرماتے ہیں:

والحق ان تحمل الاحاديث الواردة على ظواهرها ولا يقدم على الطعن فيها بانها آحاد لمخالفتها لمعتقد احد ومن اقدم على ذالك فقد حرم خيرا كثيرا و خالف طريقة السلف الصالحين لانهم كانوا يثبتون خبر واحد عن واحد عن النبي صلى الله عليه وسلم ويجعلونه سنة حمد من تبعها عيب من خالفها

حق یہ ہے کہ احادیث وارده کو اپنے ظاہری معانی پر حمل کیا جائے اور ان پر خبر واحد کہہ کر طعن نہ کیا جائے محض اس لئے کہ وہ اس شخص کے عقیدہ اور نظریہ کے خلاف ہوں اور جو شخص ایسا اقدام کرے گا تو وہ خیر کثیر سے محروم رہے گا اور سلف صالحین کے طریقہ کا مخالف ٹھہرے گا۔ کیونکہ وہ ایک ایک راوی کی نبی اکرم ﷺ سے بیان کردہ روایت کو ثابت وبرحق مانتے تھے اور اسی کو سنت تسلیم کرتے تھے جو اس کی اتباع کرتا اسے وہ قابل ستائش وتحسین گردانتے اور جو مخالفت کرتا وہ عیب لگایا جاتا اور مطعون ٹھہرتا۔

لہٰذا یہ طریقہ قطعاً درست نہیں کہ اپنے آپ کو حدیث رسول ﷺ کے تابع کرنے کی

بجائے حدیث کو اپنے تابع کریں جو اعتقاد کے مطابق ہو وہ درست اور جو خلاف ہو وہ ضعیف اور نا قابل قبول۔ بہر حال یوسف رحمانی صاحب پر گراں گزرتی ہے تو گذرے، کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا حتی کہ دیوبندی حضرات کے مجدد اور حکیم الامت نے بھی اور جب یہ حدیث صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے، کیونکہ اس کا نقل کرنے والا عظیم محدث ہے جس کے خوشہ چینوں اور فیض یافتگان میں امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ اور اس قسم کے دوسرے اکابر ہیں لہٰذا اس کی نقل کردہ روایت حجت ہے اور واقعی علماء اعلام نے اس کو حجت مانا اور اس روایت کو تلقی الامۃ بالقبول کا شرف حاصل ہے جو دلائل صحت سے ہے۔ اور اسی میں تصریح موجود ہے کہ اسی جوہر نور سے پھوٹنے والے انوار کے چار حصے کیے گئے جن میں سے ایک حصہ سے قلم دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش کو پیدا کیا گیا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اقدس کا اول المخلوقات ہونا باولیت حقیقیہ واضح ہو گیا اور قلم و لوح اور عرش و کرسی کا آپ کے بعد مخلوق ہونا جس طرح کہ تھانوی صاحب نے بھی اس کی تصریح کردی۔ اے کاش! ان اصاغر دیوبند کو اپنے اکابر سے تو کچھ شرم آتی اور ان کا در تو مضبوطی سے تھامے رکھتے اور خود مجتہد مطلق بننے کی ناکام سعی نہ کرتے۔

دوسری حدیث اول ماخلق اللہ نوری ہے جس کو علامہ علی القاری نے مرقات جلد اول ص ۱۶۷ پر نقل فرمایا اور کوئی اعتراض ضعف وغیرہ کا نہیں کیا۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ جلد اول میں پہلے صفحہ پر اس کو نقل کیا ہے اور اسے آپ کے وجود میں اول ہونے کی دلیل بنایا اور اللہ تعالےٰ کی صفت ھو الاول کا مظہر ہونے کی اور جب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا اور " لولاک لما خلقت الافلاک " کے متعلق کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا وضعی۔ زید ان کو وضعی بتاتا ہے تو گنگوہی صاحب نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ یہ حدیثیں کتب صحاح میں موجود نہیں مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اول ما خلق اللہ نوری " کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۶۱ مطبع قاسمیہ دیوبند۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

شیخ محقق کے ذکر سے کچھ اصل اس حدیث کو مان لی۔ یہ بھی غنیمت ورنہ وہ تو اس کو

ثبوت دعویٰ میں پیش کر رہے ہیں اور ھو الاول کا مصداق رسول اکرم ﷺ کو بنا رہے ہیں اگر صحیح نہ ہوتی تو ثبوت دعویٰ میں کیونکر پیش کرتے۔

تضعیف روایات میں اصولی غلطی:

اس کے علاوہ ذکر کردہ متعلق اشرف علی صاحب کی تصریحات کافی ہیں تکرار و طوالت کی ضرورت نہیں لیکن ایک اصولی چیز پر تنبیہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جب متعدد ضعیف روایات سے ایک مضمون ثابت ہو وہ بھی ضعف سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اور تقویت حاصل کر لیتا ہے چہ جائیکہ جب صحیح اور حسن روایات اس مضمون کی موید ہوں جس طرح کہ حضرت عرباض بن ساریہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات ہیں۔ لہٰذا مخالفین کو اس قاعدہ سے روگردانی اور چشم پوشی کا کوئی حق نہیں پہنچتا اور فرداً فرداً کسی روایت پر تنقید اور بحث و تمحیص سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

روزِ میثاق میں انبیاء علیہم السلام کا آپ کی نبوت پر ایمان لانا:

"واذا اخذ اللہ میثاق النبیین" سے رحمانی صاحب کا استدلال کہ نبی اکرم ﷺ اس وقت موجود ہوتے تو بھی انبیاء علیہم السلام نے ان کا کلمہ کیوں نہ پڑھ لیا چونکہ وہاں کلمہ نہیں پڑھا لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ وہاں موجود ہی نہیں تھے۔

(۱) سب سے پہلے تو قابل غور بات یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد جو وجود اور سراپائے اقدس تھا اس کے آدم علیہ السلام سے مقدم ہونے کا کسی کو دعوی نہیں نہ ہی کوئی صاحب عقل اس کا تصور بھی کر سکتا ہے اور آپ کے جس تقدم کا دعوی کیا گیا ہے۔ اور جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے وہ ہے نوری وجود، حقیقت محمدیہ اور روح مصطفوی ﷺ کے لحاظ سے تقدم اور وہ خود رحمانی صاحب مان بھی گئے کہ اس وقت آپ کا روح موجود تھا۔ پھر اس سے موجودگی کی نفی پر استدلال کا کیا معنے؟ اور ہم قبل ازیں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالے نے ارواح انبیاء علیہم السلام کو پیدا فرمانے کے بعد نورِ مصطفوی ﷺ کو ان پر ظاہر کیا تو آپ کے نور نے ان کو اپنے اندر چھپا لیا تو انھوں نے عرض کیا: یہ نور کس کا نور ہے، تو اللہ تعالے نے فرمایا:

ھذا نور محمد ﷺ بن عبد اللہ ان آمنتم یہ نور ہے محمد بن عبد اللہ ﷺ کا اگر تم ان کے

به جعلتکم انبیاء قالو آمنا به وبنبوته فقال الله اشهد علیکم قالوا نعم فذالك قوله تعالیٰ واذ اخذ الله میثاق النبین لما اتیتکم من کتاب وحکمة۔ (الآیہ)

(مواہب لدنیہ مع زرقانی ج1 ص40)

ساتھ ایمان لاؤ تو میں تمھیں منصب نبوت پر فائز کروں گا انھوں نے عرض کیا: ہاں تو اس حالت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالے نے فرمایا: واذ اخذ اللہ۔ یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا۔

علامہ سبکی نے اس آیت کے تحت جو تقریر فرمائی ہے اس کو مواہب، خصائص اور حجۃ اللہ علی العالمین میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں تصریح موجود ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں کہ آپ کے دنیا میں منصب نبوت و رسالت اور مسند ارشاد پر متمکن ہونے کے بعد سے قیامت تک آپ کی رسالت عام ہے بلکہ روز میثاق سے لے کر قیام قیامت تک سب کو محیط ہے۔ فرماتے ہیں عہد میثاق گویا عہد بیعت ہے جو خلفاء کے لئے لیا جاتا ہے اور وہ گویا اسی سے ماخوذ و مستنبط ہے تو دیکھئے! اللہ تعالے کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے لئے تعظیم عظیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جب یہ بات صحیفہ خاطر پر منقش ہو چکی تو اب ظاہر ہو گیا۔

فالنبی ﷺ ھو نبی الانبیاء ولھذا ظھر ذالك فی الاخرة جمیع الانبیاء تحت لوائه وفی الدنیا کذالك لیلة الاسریٰ صلی بھم

نبی اکرم ﷺ نبی الانبیاء ہیں اور اسی لئے آخرت میں اس حقیقت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور دنیا میں بھی اسی طرح ہوا کہ بیت المقدس میں سب آپ کے مقتدی تھے اور آپ سب کے امام۔

اور آخر میں فرماتے ہیں:

یہاں دو حدیثوں کا معنی واضح ہو گیا جواب تک ہم پر مخفی تھا" اول ارسلت الی الخلق کــافة" کے متعلق ہم یہی سمجھتے رہے کہ بعثت کے بعد قیام قیامت تک آپ کی رسالت عام ہے لیکن اس کی تحقیق سے معلوم ہو گیا،" انه جمیع الناس اولھم وآخر ھم که الخلق میں سبھی

اولین و آخرین" داخل ہیں۔دوسری حدیث "کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد" ہے
جس کے متعلق ہم سمجھتے تھے کہ یہ علم الٰہی کے اعتبار سے ہے مگر اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ نہیں یہ
اس پر زائد امر ہے اور آپ کی نبوت خارج میں متحقق تھی جب کہ آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ مکمل نہیں
ہوا تھا خصائص کبریٰ جلد اول ص ۴' ۵' ۶ پر مفصل مضمون علامہ سبکی کا موجود ہے اسے ملاحظہ
فرمائیں۔

الغرض واضح ہو گیا کہ حضرت انبیاء آپ پر آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے لیکن اس کو
ظہور اس وقت ہوتا جب دنیا میں ان کی موجودگی میں آپ تشریف لاتے اسی لئے حضرت عیسیٰ
آپ کی شریعت پر ہوں گے اور اس کے مبلغ۔ مگر عدم ظہور اور ثبوت وتحقق اور ہے۔ اگر رحمانی
صاحب کو "الست بربکم " کے جواب میں اپنا "بلیٰ" کہنا معلوم نہ ہو تو کیا کہا جائے گا کہ
انھوں نے "بلیٰ" نہیں کہا تھا۔ کہا تو کفار نے بھی تھا مگر اکراہا اور ہیبت وجلالت خداوندی سے
اور مومنین نے طوعاً و اخلاصاً کہا تھا لیکن ظہور اس کا دنیا میں ہو گا کہ ازراہ اخلاص "بلیٰ" کہنے والا
کون تھا اور ازراہ اکراہ کون۔ لہٰذا انبیاء کا ایمان لانا ثابت ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں؟

(ب) اس آیت کریمہ میں ان سے جو عہد لیا گیا ہے وہ دنیا کے لحاظ سے ہے جس پر "لما
آتیتکم من کتاب و حکمۃ" شاہد ہے اور آپ کی بعثت اور رسالت دنیوی کے لحاظ سے "ثم
جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه" (الآیۃ) لہٰذا بالفرض والتقدیر
اگر اس وقت اقرار اور اعتراف آپکی نبوت و رسالت کا نہ بھی پایا گیا ہو تو اس سے آپ کی عدم
موجودگی کیسے لازم آگئی، کیونکہ اس عہد کا تو تعلق ہی دنیا میں مبعوث ہونے کے ساتھ تھا لہٰذا وہ
مکلف تھے دنیا میں ہوتے ہوئے ان کے پاس سرور عالم ﷺ کے تشریف لانے پر ان کے ساتھ
ایمان لانے اور ان کے دین کی خدمت کرنے کے ساتھ لہٰذا آپ یثاق اور عہد کے وقت موجود
بھی ہوں اور اس ایمان ونصرت کا اظہار نہ پایا جائے تو کیا حرج ہے۔

(ج) رحمانی صاحب کے اس کلام سے لازم آیا کہ تمام انبیاء و رسل موجود تھے اور مقصود
کائنات اور باعث ایجاد مرسلین اور امم موجود ہی نہ تھے حالانکہ ساری امت آپ کو اول الانبیاء فی

الخلق مانتی رہی مگر رحمانی صاحب ہیں کہ آپ کو دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی ایک زمانہ میں موجود ماننے کو تیار نہیں؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حدیث صحیح میں موجود ہے کہ: کنت اول النبین فی الخلق و آخرھم فی البعث کما اخرج ابن ابی خاتمہ فی تفسیرہ وابو نعیم فی الدلائل من طرق عن قتادۃ عن الحسن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ واذ اخذنا من النبین میثاقھم یعنی اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کا ذکر فرمایا اور اجمال کے بعد جب تفصیل ذکر کی تو آنحضرت ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام سے بھی پہلے ذکر فرمادیا اور فرمایا "ومنك ومن نوح" تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: چونکہ میں تخلیق وایجاد میں انبیاء سے مقدم تھا لہذا مجھ سے عہد بھی پہلے لیا گیا۔ "فبدا به قبلھم" اور اسلئے آپ کا ذکر بھی پہلے کیا گیا ہے۔

بہر حال خود نبی اکرم ﷺ کا نظریہ وعقیدہ تو اپنے متعلق یہی ہے کہ میں اس وقت بلکہ اس پہلے موجود تھا اور انبیاء سے ایجاد میں بھی، نبوت میں بھی اور میثاق میں بھی مقدم تھا۔ اگر علماء دیوبند کو یہ نظریہ قابلِ قبول نہیں تو پھر دکھاوے کے لئے آپ کا کلمہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ صاف صاف کہیں اب دین ہمارا چلے گا پہلے دین کو نہیں چلنے دیں گے اردو کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کرنے والے نبی کو رموز واسرار کی کیا خبر وہ تو ان کے استاد ہی جان سکتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ (تنویر الابصار ص ۹۸ تا ص ۱۱۱)

نبی کریم ﷺ کی شریعت ہمیشہ کے لئے قائم ہے:

سوال:

نبی کریم ﷺ کی شریعت نے پہلی شریعتوں کو منسوخ کردیا، کیا پہلی شریعتوں کا درجۂ شریعت بھی ختم ہوگیا؟

جواب:

لا یخرجها ذلك السنہ عن کونها من شریعتہ فان اللہ تعالی قد اشہدنا النسخ فی شرعہ الظاہر مع اجماعنا واتفاقنا علی انہ شرعہ الذی فنسخ المتقدم بالمتاخر ومما یشہد لکون جمیع الانبیاء نوابا لہ صلی اللہ علیہ وسلم کون عیسی علیہ السلام اذا نزل الی الارض لا یحکم بشرع نفسہ الذی کان علیہ قبل رفعہ وانما یحکم بشرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم الذی بعث الی امتہ

قانون یہ ہے کہ بعد والی شریعت کبھی پہلی شریعت کے بعض قوانین منسوخ کر دیتی ہے لیکن پہلی شریعت اپنے وقت شریعت ہی تھی وہ درجہ شریعت سے خارج نہیں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا وہ شرائع ہی اپنے دور میں رہیں۔ تمام انبیاء کرام اپنی اپنی نبوت میں اصلی ہونے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی حیثیت میں تھے۔

اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام جب زمین میں تشریف لائیں گے تو اپنی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے جو شریعت آپ کو دے کر آپ کی امت کی طرف بھیجا گیا۔

اسی سے واضح ہوا کہ جب آپ کی شریعت لازوال ہے تو آپ کی نبوت بھی زوال ہے۔

آدم علیہ السلام کے علم کا حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی وجہ سے تھا:

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لواء الحمد دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: شیخ نے باب ۲۷ میں بیان کیا ہے:

انہ انما جعل بیدہ لیجتمع الیہ الناس اذ ہو علامۃ علی مرتبۃ الملك وعلی وجود الملك وانما سمی لواء لانہ یلتوی علی جمیع المحامد فلا یخرج عنہ حمد کما اشار الیہ حدیث " آدم ومن دونہ تحت لوائی " وایضاح ذلك ان آدم علیہ السلام عالم

آپ کے ہاتھ میں لواء (جھنڈا) دیا جائے گا تا کہ سب لوگ آپ کی طرف مجتمع ہوں جبکہ وہ علامت ہے آپ کی بادشاہ ہونے کی اور آپ کو بادشاہت حاصل ہونے کی۔ لواء کو لواء اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام محامد کو لپیٹے ہوئے ہے (اسی وجہ سے نام ہی لواء الحمد مشہور ہو گیا) کوئی

بالأسماء وماظهر بعلمها الا بحكم النيابة عن محمد صلی الله علیه وسلم فی عالم الملائكة لتقدمه بالنبوة و آدم بين الماء والطين فلما ظهر جسم محمد صلی الله علیه وسلم كان هو صاحب اللواء فياخذ اللواء من آدم يوم القيامة بحكم الاصالة فيكون آدم فمن دون تحت لوائه

حمد اس سے خارج نہیں جس طرح اشارہ کیا اس کی طرف حدیث پاک نے " آدم اور آپ کے سوا سب ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے " اس کی وضاحت یہ ہے کہ بیشک آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم دیا گیا ہے۔ لیکن آپ کو یہ علم حاصل نہیں ہوا مگر نبی کریم ﷺ کی نیابت کی وجہ سے کیونکہ عالم ملائکہ میں نبوت کی وجہ سے تقدم (آگے ہونے کا شرف) آپ ہی کو حاصل تھا آدم علیہ السلام جس وقت پانی اور کیچڑ میں تھے۔ جب حضرت محمد ﷺ کے جسم کا ظہور ہوا تو وہ لواء آپ کے ہاتھ میں آ گیا آپ صاحب اللواء کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ قیامت کے دن وہ لواء آپ کے ہاتھ میں ہوگا کیونکہ اصل آپ ہی ہیں آدم علیہ السلام تو آپ کی فرع ہیں۔ اسی لئے آدم علیہ السلام اور آپ کے سوا سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

فرشتے بھی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے:

سوال : کیا رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے فرشتے بھی ہوں گے؟

جواب:

نعم لانها كانت تحت ذلك اللواء فی زمان آدم فكذلك يكونون فی الاخرة تحته حين يحمله رسول الله ﷺ وهنا يظهر لجميع الخلق سيادة رسول الله ﷺ وخلافته على الجميع انتهى۔

(الیواقیت والجواہر ج 2 ص 344)

ہاں فرشتے بھی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ فرشتے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں اسی جھنڈے کے نیچے تھے تو اسی طرح آخرت میں بھی رسول اللہ ﷺ وہ لواء اٹھائے ہوئے ہوں گے تو وہ اسی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اس طرح تمام مخلوق پر آپ کی سیادت ظاہر ہو جائے گی۔ اور سب پر آپ

کی خلافت ظاہر ہو جائے گی۔ (یعنی خلیفۂ اعظم آپ ہی ہوں گے یعنی اصل آپ ہوں گے باقی انبیاء کرام کو نیابت حاصل ہوگی)۔

انسان کو خلیفہ بنانے میں راز حقیقت:

اللہ تعالیٰ کے ولی مفسر قرآن، مفکرِ اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جملہ مخلوقات سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصب خلافت کی اہلیت رکھتی ہے۔ علماء ربانیین نے اس مشتِ خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اٹھایا ہے۔ اس کی گردِ راہ کو نفسیاتِ انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکتے۔ عارف کامل اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

ان فی الانسان صورۃ من عالم الشھادۃ المحسوسۃ وروحا من عالم الغیب الملکوتی غیر المحسوس وسرا مستعدا لقبول فیض الانوار الالھیۃ فبالتربیۃ یترقی من عالم الشھادۃ الی عالم الغیب وبسر المتابعۃ یترقی من عالم الملکوت الی عالم الجبروت والعظموت ویشاھد بنور اللہ المستفاد من سر المتابعۃ انوار الجمال و الجلال الخ

(روح البیان زیر آیت واذ قال ربک)

یعنی انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور اس کی روح کا تعلق عالم غیب ملکوتی سے ہے۔ صورت وروح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوار ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وہ عالم محسوس کر کے عالم غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اور رسالت مآب کی سچی پیروی سے اس پر عالم جبروت وعظموت کی راہیں کھلتی ہیں۔

وہ نور الٰہی جو اس اطاعت وپیروی کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے وہ جمال وجلال کے انوار وتجلیات کو مشاہدہ کرتا ہے۔

سبحان اللہ احسن الخالقین! انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور کریں تاکہ ان میں بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وہ ذرہ جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وہ قطرہ جس میں سمندروں کی گہرائیاں ہیں۔ (ضیاء القرآن)

زمین میں خلیفہ بنانے کی وجہ:

انی جاعل فی الارض خلیفۃ ای التی ھی محل الکون و الفساد فھو محل التصرف عن عناصرھا ومن الروح السماوی " (تیسیر الرحمٰن)

"رب تعالیٰ نے فرمایا: "میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں" زمین کا ذکر اس لئے فرمایا کہ زمین ہی وہ مقام ہے جہاں فساد وغیرہ پائے جاتے ہیں اور زمین میں ہی عناصر اربعہ سماوی (آسمانی) روح سے مل کر تصرفات کرتے ہیں۔ اس لئے زمین میں ہی ان کی اصلاح کی ضرورت تھی لہٰذا زمین میں خلیفہ بنانے کی مشیت کا اظہار کیا۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت عامہ:

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں ہے "وارسلت الی الخلق کافۃ " (مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا) اور رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی " واوحی الی ھذا القران لانذرکم ومن بلغ " (سورۃ الانعام آیہ ۱۹) "ومن بلغ ای بلغہ القران "اور میری طرف اس قران کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے (کنز الایمان) "ومن بلغ " جن جن کو پہنچے۔ یعنی جن جن تک قران پہنچے میں ان کو ڈراؤں۔ اس سے بھی آپ ﷺ کی رسالت عامہ ثابت ہوئی۔

انبیاء کرام کی ولایت:

سوال: کیا مقامِ ولایت مقامِ نبوت کو لازم ہے یا علیحدہ وصف ہے؟

جواب:

ان ولایۃ اللہ تعالیٰ لعبادہ ھی الفلک المحیط وھی الدائرۃ الکبری وفی حکمھا وحقیقتھا ان اللہ تعالیٰ یتولی من شاء من عبادہ برسالۃ او نبوۃ او ایمان ونحو ذلک من احکام

اللہ تعالیٰ کی ولایت فلک الافلاک کا درجہ رکھتی ہے جو دائرہ کبری ہے اور سب افلاک کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے حکم اور حقیقت میں یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جسے

الولاية المطلقة وکل رسول لابد ان یکون نبیا وکل نبی لابد ان یکون ولیا وکل ولی لابد ان یکون مؤمنا

چاہے اسے رسالت یا نبوت یا ایمان وغیرہ عطاء فرمادیتا ہے یہ سب ولایۃ مطلقہ کے احکام سے ہی ہیں۔

اس میں یہ ضابطہ یادرکھنے کے قابل ہے:

ہر رسول نبی ضرور ہوتا ہے ہر نبی ولی ضرور ہوتا ہے، ہر ولی مومن ضرور ہوتا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ بغیر ایمان کے ولایت نہیں اور بغیر ولایت کے نبوت نہیں اور بغیر نبوت کے رسالت نہیں۔

نبی کی ولایت نبوت ورسالت سے افضل ہے:

اگر کوئی یہ کہے کہ نبی اور رسول سے ولی افضل ہے تو وہ کافر ہے اس لئے کہ اس کا معنی عام ذہنوں میں یہ آتا ہے کہ غیر نبی اور غیر رسول جسے منصب ولایت حاصل ہے وہ نبی اور رسول سے افضل ہے تو یقیناً کافر ہے۔ اگر کوئی کہ کہے کہ نبی اور رسول کی ولایت منصب نبوت ورسالت سے افضل ہے تو یہی عین ایمان ہے۔ ایک اور استدلال کے بعد مسئلہ کی تفصیل پیش کر رہا ہوں" ان شاءاللہ"

نبی کی عبودیت افضل ہے رسالت سے:

یہاں بھی اگر یہ کہا جائے کہ ہر عبد کی عبودیت رسالت سے افضل ہے تو کفر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کی عبودیت رسالت سے افضل ہے تو یہی ایمان کامل ہے۔ آیئے اس مسئلہ پر " سبحان الذی اسری بعبدہ" کے تحت روح البیان کا حوالہ حاشیہ جلالین ص ۲۲۱ پر دیکھئے۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ رازی رحمۃ اللہ کا تفسیر کبیر سے قول نقل فرماتے ہیں:

ان العبودیۃ افضل من الرسالۃ لان العبودیۃ ینصرف من الخلق الی الحق فھی مقام الجمع وبالرسالۃ ینصرف من الحق الی الخلق فھی مقام الفرق والعبودیۃ ان یکل امورہ الی

نبی کی عبودیت رسالت سے افضل ہے اس لئے کہ عبودیت میں مخلوق سے پھر کر رب تعالیٰ کی طرف توجہ کی جاتی ہے یہ مقام وصل ہے۔ اور رسالت مخلوق کو جب رب تعالیٰ کے پیغام

سهده فيكون هو المتكفل باصلاح مهامه والرسالة التكفل بمهام الامة وشتان ما بينهما.	پہنچاتے ہیں تو اتنی دیر مخلوق کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے اور رب تعالی کی طرف توجہ کچھ کم ہوتی ہے۔ یہ واضح فرق ہے جس کی وجہ سے نبی کی عبودیت رسالت سے افضل ہے۔

اور وجہ یہ ہے کہ عبودیت کے لحاظ سے عبد اپنی مہمات و مشکلات کو سید کے سپرد کر دیتا ہے اور سید اس کا کفیل ہوتا ہے لیکن رسالت میں رسول اپنی امت کی مشکلات و مہمات کا کفیل ہوتا ہے۔ اس لحاظ پر بھی دونوں میں فرق سمجھ آ گیا اور نبی کی عبودیت کا رسالت سے افضل ہونا سمجھ آ گیا۔

جہلاء مشائخ کو قدیم زمانہ سے کافر کہتے چلے آ رہے ہیں:

آیئے نبی ولایت کا رسالت سے افضل ہونا تفصیل سے دیکھئے اور ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے چلے جائیں کہ مشائخ کو کافر کہنا جہلاء کی پرانی رسم ہے۔ شیخ اکبر قدس نے "الا ان اولیاء الله خوف علیهم ولاهم یحزنون" کے تحت فرمایا:

وعد الشيخ الاكبر قدس سره منهم الرسل والانبياء عليهم الصلوة والسلام والبيان الذى في الاية صادق عليهم السلام على اتم وجه ونسب اليه رضى الله القول بتفضيل الولى على النبى والرسول وخاض فيه كثيرمن المنكرين حتى كفروه وحاشاه بسبب ذلك.	کہ رسول اور انبیاء کرام اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد سے جاہلانہ غور و خوض کرنے والے منکرین نے یہ کہا کہ شیخ اکبر نے ولی کو نبی اور رسول پر فضیلت دی ہے اسلئے ان منکرین نے آپ کو کافر کہا یعنی آپ کے قول کو کفر کی طرف منسوب کیا۔ اللہ کی پناہ ان کے جاہلانہ قول سے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات کے متعدد مقامات میں اور کئی تصانیف میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے جس سے اصل مسئلہ واضح ہو جاتا ہے اور منکرین کی بے سمجھی بھی واضح ہوتی ہے۔

ولی کے قول کو سمجھا جائے صرف اعتراض کرنے کی حماقت نہ کی جائے:

وقد ذکر فی کتاب القربة انه ینبغی لمن سمع لفظة من عارف متحقق مبهمة کان یقول الالوية هی النبوة الکبری او الولی العارف مرتبته فوق مرتبة الرسول ان یحقق المراد منها ولا یبادر بالطفی

کتاب القربۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ انسان جب ولی کامل، عارف محقق سے مبہم الفاظ سنے تو اسے چاہیئے کہ اعتراض کرنے کے بجائے ان کو سمجھے کہ ولی کامل، علام محقق نے کیا کہا ہے۔ اگر عارف محقق یہ کہے "ولی عارف کا مرتبہ رسول کے مرتبہ سے اوپر ہے" تو کفر کا فتوی لگا کر اپنی جہالت و حماقت کا ثبوت پیش نہ کرو بلکہ یہ سمجھو کہ کیا عارفانہ کلام ہے۔ کہ نبی کا منصب ولایت منصب نبوت ورسالت سے بھی بلند ہے۔ اسلئے نبی بحیثیت ولی عارف ہونے بحیثیت رسول ہونے سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ کیا ولی کامل نے یہ کہا" غیر نبی ولی عارف رسول سے اوپر مرتبہ رکھتا، یا تم نے غلط بیان کر کے اپنی جہالت وحماقت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اگر ولی کامل عالم محقق یہ کہے کہ "ولایت نبوت کبری ہے" کہ کیا یہ کلام غلط ہے یا عارفانہ کلام ہے۔ ہاں! ہاں! یقیناً یہ عارفانہ کلام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت کا اتنا بلند درجہ ہے کہ نبوت کا سب سے وہ بلند درجہ اسے حاصل ہے۔

عارف کامل، عالم محقق نے یہ تو نہیں کہ جو شخص نبی نہیں اس کی ولایت نبوت کبری ہے۔ افسوس کہ جہلاء علم حاصل کریں۔ لکیر کے فقیر بن کر ہی اچھلنا کودنا شروع کر دیں۔

آیئے شیخ کا صریح کلام جو عبارۃ النص کا درجہ رکھتا ہے اس دیکھئے:

اعلم انه لااعتبار للشخص من حیث هو انسان فلا فضل ولا شرف فی الجنس بالحکم الذاتی وانما یقع التفاضل بالمراتب فالانبیاء صلوات الله تعالی علیهم ما فضلوا الخلق الا بها فالنبی صلی الله علیه وسلم له	یقین کرلو بیشک کسی شخص کا بحیثیت انسان (حیوان ناطق) ہونے کے افضلیت واشرفیت میں کوئی اعتبار نہیں کیونکہ جنس میں سب برابر ہیں۔ انبیاء کرام کو دوسروں پر فضیلت باعتبار مراتب کے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

مرتبة الولاية والمعرفة والرسالة و مرتبة الولاية والمعرفة دائمة الوجود ومرتبة الرسالة منقطعة فانها تنقطع بالتبليغ والفضل للدائم الباقي، والولي العارف مقيم عنده سبحانه والرسول خارج وحالة الاقامة اعلى من حالة الخروج فهو صلى الله عليه وسلم من حيثية كونه وليا وعارفا اعلى واشرف من حيثية كونه رسولا وهو ﷺ الشخص بعينه واختلفت مراتبه لان الولي منا ارفع من الرسول نعوذ بالله تعالى من الخذلان

مرتبہ ولایت، مرتبہ معرفت اور رسالت سب (مراتب) ہی حاصل ہیں مرتبہ ولایت و معرفت ہمیشہ کیلئے موجود ہیں۔ اور مرتبہ رسالت میں انقطاع ہے۔اس لئے کہ رسالت کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالی کا پیغام بندوں تک پہنچانا۔ جب آپ وہ پیغام پہنچا رہے ہوتے ہیں تو مرتبہ رسالت حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ عبادت وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں تو اتنی دیر کیلئے اس مرتبہ میں انقطاع ہوتا ہے۔ یقینا جو چیز ہمیشہ کے لئے باقی ہے وہ افضل ہے۔ولی عارف رب تعالی کے ہاں مقیم ہوتا ہے اور رسول جو بندوں سے مشغول ہوتے ہیں اتنی دیر کیلئے کچھ نہ کچھ انہیں انقطاع حاصل ہوتا ہے یہ بھی واضح ہے کہ حالتِ اقامت حالتِ خروج سے اعلیٰ ہے۔رسول اللہ ﷺ بحیثیت ولی اور عارف ہونے کے اعلی اور اشرف ہیں اور بحیثیت رسول ہونے کے ذات ایک ہے اور مراتب مختلف ہیں۔یہ نہیں کہ ہم میں سے کوئی ولی (جو رسول نہ ہو) وہ کسی نبی یا کسی رسول سے افضل ہے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ سید الانبیاء افضل الانبیاء سے افضل ہے "نعوذ باللہ من الخذلان"

یہی جو تعریف بیان کردی اس کے مطابق اصحاب کشف و وجود نے کہا: ہمارے نزدیک کوئی اعتبار نہیں سوائے مقامات ومراتب کے اور سوائے آدمیوں کی صفات کے۔ہم صرف مراتب کی بات کرتے ہیں اشخاص کی نہیں کیونکہ اشخاص میں کلام کبھی غائب کے متعلق کلام کرنے کے مترادف ہے۔لیکن کلام مقامات واحوال میں انسانوں کی صفات کے بارے میں ہے۔"ولنا فی کل حظ شرب معلوم ورزم مقسوم"۔انتھی

<u>کسی صاحب علم نے غیر نبی ولی کو رسول سے افضل نہیں کہا:</u>

وهو صریح فی انه قدس سره لایقول هو ولا غیره من الطائفة بأن الولی افضل من النبی حسبما ینسب الیه

ابھی تک شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی صریح عبارت نقل کی اس سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ نہ آپ نے اور نہ کسی اور ولی و عالم نے یہ کہا کہ وہ ولی جو نبی نہیں افضل ہے نبی سے۔ آپ کی طرف یہ منسوب کرنا باطل ہے۔ آپ کی طرف منسوب کرنے کی روک تھام کیلئے جو ذکر کیا وہ کافی ہے۔

شیخ نے مقام نبوت کو کشف سے دیکھا:

عبدالوہاب شعرانی شیخ کا قول نقل کرتے ہیں' آپ فرماتے ہیں:

"فتح لی قدر خرم ابرة من مقام النبوة تجلیا لا دخولا فکدت قد احترق"

مجھ پر (حالت کشف میں) سوئی کے ناکے (سوراخ) کے برابر مقام نبوت کی تجلیات کو کھولا گیا۔ ان میں دخول نہیں ہوا۔ اگر میں ان تجلیات میں داخل ہوتا تو جل جاتا۔

کیا شیخ کے اس کلام کے بعد بھی کوئی کہے گا کہ شیخ نے غیر نبی ولی کو رسول سے افضل کہا۔ "اللھم انا نعوذبک من الجاھلین"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول دیکھئے:

آپ کا ارشاد ہے:

یا معاشر الانبیاء اوتیتم الالقاب و اوتینا مالم تؤتوہ"

اے انبیاء کرام کی جماعت! تمہیں القاب عطاء کئے گئے اور ہمیں بھی عطاء کئے گئے جو انبیاء کرام کو نہیں عطاء کئے گئے۔

کیا یہ جملہ گستاخانہ ہے یا کہ اس کا صحیح مطلب بھی ہے۔ "یا غوث اعظم" کی رٹ لگانے والے بغیر سوچے سمجھے کہیں آپ کو کافر اور گستاخ انبیاء کہہ کر اپنے ایمان کا جنازہ نہ نکال لینا۔ آیئے غور کیجئے! اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ انبیاء کرام کی خدمت میں یوں عرض کر رہے ہیں کہ اے انبیاء کرام! تمہیں نبوت بھی عطاء کی گئی اور منصب ولایت کے ذریعے تمہیں رب تعالیٰ

ہیں کہ اے انبیاء کرام! تمہیں نبوت بھی عطاء کی گئی اور منصب ولایت کے ذریعے تمہیں رب تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے۔ یہ منصب ہمارے جیسے اولیاء کو حاصل نہیں۔ یقیناً آپ کو آپ کے منصب کے مطابق القاب حاصل ہیں۔ ہمیں جب آپ سے پست مقام حاصل ہے تو ہمیں جو القاب حاصل ہیں وہ بھی پست ہیں وہ پست القاب تو تمہیں حاصل ہیں" تمہیں تو بلند القاب حاصل ہیں"۔

قول فیصل یہی ہے:

فان اعتقاد افضلية الاولياء على نبی من الانبياء كفر عظيم وضلال بعيد

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ ان کے ولیوں میں جو ولی نبی تو نہیں لیکن وہ انبیاء سے افضل ہے تو یہ عقیدہ رکھنا کفر عظیم ہے اور بہت بڑی گمراہی ہے۔

اگر غیر نبی کا نبی پر افضل ہونے کا قول صحیح ہوتا تو صدیق اکبر افضل ہوتے:

لیکن جب یہ قول ہی صحیح نہیں تو صدیق اکبر کو کسی نبی پر افضل کہنا بھی کفر ہے۔

ولو ساغ تفضيل ولی علی نبی لفضل الصديق اكبر رضی الله عنه علی احد من الانبياء لانه ارفع الاولياء قدرا كما ذهب اليه اهل السنة ونص عليه الشيخ قدس سره فی كتاب القربة ايضا مع انه لم يفضل كذالك بل فضل علی من عداهم كما نطق به. ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد بعد النبيين افضل من أبی بكر الصديق فمتی لم يفضل الصديق وهو الذی وقر فی صدوره ما وقر ونال من الكمال مالا يحصر

اگر یہ بات درست ہوتی کہ غیر نبی ولی افضل ہوسکتا ہے نبی پر تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء کرام میں سے کسی ایک نبی پر افضل ہوتے اسلئے کہ اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قدر و منزلت کے لحاظ پر سب اولیاء سے افضل ہیں۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ نے کتاب القربۃ میں اس کی بھی تصریح کی ہے، کہ جب تک سورج طلوع اور غروب ہوتا رہے گا انبیاء کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی افضل نہیں ہوگا۔ جب کہ

من ذکر من ربهم محدث الا استمعوه وهم یلعبون"

(الیواقیت والجواہر ج2، ص347)

ہر وقت تک پہنچاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے (جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے) [کنز الایمان]

نبوتِ بشریہ دو قسم ہے:

(۱) القسم الاول من الله تعالى الى غيره من غير روح ملكيمن الله تعالى وبين عبده بل اخبارات الهية يجدها في نفسه من الغيب او في تجليات ولا يتعلق بذلك الاخبار حكم تحليل ولا تحريم بل تعريف بمعاني الكتب والسنة او يصدق حكم مشروع ثابت انه من عند الله تعالى او تعريف بفساد حكم قد ثبت بالنقل صحته ونحو ذلك وكل ذلك تنبيه من الله تعالى وشاهد عدل من نفسه قال ولاسبيل لصاحب هذا المقام ان يكون على شرع يخصه يخالف شرع رسله الذى ارسل اليه وامرنا باتباعه ابدا

قسم اول یہ ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف اسکے غیر (نبی) کو وہ عطاء ہو، اس میں روح ملکی کا واسطہ نہ ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے بلکہ نبی اپنے نفس میں غیبی طور پر اخبار الہیہ کو پائے یا تجلیات میں اخبار الہیہ کو پائے یہ جو اخبار الہیہ کو حاصل ہوتی ہیں ان کے ساتھ تحلیل وتحریم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ کتب اور سنت کی معانی کی تعریف حاصل ہوتی ہے یا تصدیق حاصل ہوتی ہے حکم مشروع میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہے، یا جس حکم کے فساد کا نقل صحیح سے ثبوت ہو اس پہچان لینا وغیرہ ذلک یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ چیزوں پر متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور نبی کی اپنی ذات کی جانب سے انصاف اس پر شاہد ہوتا ہے اس مقام کے صاحب کو کا خاص شریعت پر کوئی راستہ نہیں۔ یہ مخالف ہے اس شریعت کے جو رسول کو دے کر ہماری طرف بھیجا گیا ہے اور ہمیں اس کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ تجلیات یا بغیر واسطہ تجلیات کے اخبارات الہیہ

پر نبی کو مطلع کر دیا جاتا ہے لیکن ان اخبار سے نہ ہی تحلیل و تحریم کا تعلق ہے اور نہ ہی ان کی تابعداری امت کو لازم ہے بلکہ ان اخبارت کا نبی اعلان ہی نہیں فرماتے:

(۲) القسم الثانی من النبوة البشرية وهو خاص بمن كان قبل بعثة نبينا محمد ﷺ وهم الذی يكونون كالتلامذة بين يدی الملك فينزل عليهم الروح الامين بشريعة من الله تعالى فی حق نفوسهم بتعبدهم بها فيحل لهم ما شاء ويحرم عليهم ماشاء ولا يلزمهم اتباع الرسل وهذا المقام لم يبق اثر بعد محمد ﷺ الافی الائمة المجتهدين من امته لكن لايقارقونهم بوجوب اتباعهم الرسل فلهم ان يحلوا بالدليل ويحرمونه به - انتهى

(الیواقیت والجواہر ج 2 ص 349-348)

دوسری قسم نبوت بشریہ کی یہ ہے کہ وہ خاص ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے انبیاء کرام کو اپنے اپنے وقت میں حاصل رہی۔ وہ انبیاء کرام فرشتہ وحی سے حاصل کرتے رہے۔ ان پر روح امین (جبرائیل) اللہ تعالی کی طرف سے بذریعۂ وحی شریعت لاتے رہے۔ جو ان کی ذاتوں کیلئے ان کو تسلیم کرنا ضروری تھا۔ رب تعالی نے جن چیزوں کو چاہا ان کیلئے حرام کر دیا اور جنہیں چاہا ان پر حرام کر دیا۔ رسولوں کو ایک دوسرے کی تابعداری کرنا لازم نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کی امت کے مجتہدین کو یہ مقام حاصل ہوا لیکن ان کو رسولوں کی اتباع لازم رہی ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ دلیل شرعی سے کسی چیز کو حلال کر سکتے تھے اور حرام کر سکتے تھے۔

خلاصہ کلام:

دوسری قسم کی نبوت میں رب تعالی کے احکام جبرائیل پہنچاتے ہیں۔ اس پر حلال اور حرام اور احکام تشریعیہ کی دارومدار ہے۔ اس نبوت کے لحاظ پر دوسرے نبی اپنے اپنے دور میں نبی کریم ﷺ سے پہلے ہیں اور ہر نبی اپنی شریعت کا پابند رہا۔ کسی نبی کو دوسرے نبی کی تابعداری کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر پہلی شریعت ہی دوسرے نبی کو عطاء کی گئی تب بھی دوسرے نبی اپنی طرف آنے والی وحی اور اعطاء شریعت کے ہی پابند رہے دوسرے انبیاء کرام کی تابعدار کا ان کو حکم

نہیں دیا گیا اگرچہ تمام انبیاء کرام ایک دوسرے کی تصدیق کرتے رہے۔ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کی نبوت کے احکام علماء کرام کے ذمہ کردیئے گئے لیکن وہ اپنی طرف سے کوئی احکام جاری نہیں کرسکتے بلکہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کے پابند ہیں۔ پہلے شریعتوں کے کوئی احکام نبی کریم ﷺ کی شریعت میں آئے ہوئے نہیں تو آپ کے واسطہ سے پہلے انبیاء کرام کے بھی تابع توحید میں تو سب انبیاء کرام کی تابعداری ضروری ہے۔ علماء پر لازم ہے کہ وہ سب انبیاء کرام اور حقیقی آسمانی کتب (غیر محرف) کی تصدیق کریں۔

نبوت کی دو قسموں کو استاذی المکرم نے بھی بیان فرمایا:

بلکہ آپ کا ارشاد شیخ اکبر اور عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ سے بھی زیادہ واضح ہے۔

دو نبوتیں اور دو رسالتیں:

جن حضرات نے ارشادِ نبوی "کنت نبیاء وآدم بین الروح والجسد" کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے اور آپ کے لئے عالم ارواح میں بالفعل اور عملی نبوت تسلیم کی ہے اور ملائکہ اور ارواح انبیاء کیلئے فیض رسان اور مربی ہونا تسلیم کیا ہے انھوں نے آپ کے لئے دو نبوتیں اور دو رسالتیں تسلیم کی ہیں۔ پہلی عالمِ ارواح کے اعتبار سے اور دوسری عالمِ اجسام اور ابدان (بدنوں) کے اعتبار سے۔

نبی کریم ﷺ کے اسم الداعی کا مطلب:

حضرت العلامہ الشیخ سلیمان الجمل نبی مکرم ﷺ کے اسم مبارک "الداعی" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ اسم مبارک یا "دعاء" سے ماخوذ ہے تو اس وقت اس کا معنی اور مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعاء کرنے والے ہیں اور تضرع اور زاری کرنے والے ہیں۔

اگر دعوۃ سے ماخوذ ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا:

انہ داع للخلق لیعبلوا علی اللہ تعالی وعلی توحیدہ وعبادتہ وقد دعاھم ﷺ الخلیفۃ فی کہ وہ مخلوق کو دعوت دینے والے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید اور عبادات کی طرف

عالم الارواح والذر فدعت روحه الشريفة جميع الارواح ودلتها على الله وعلى توحيده وعرفتها بربها ودعت ذرته الشريفة جميع الذرات و ارشدتها وعرفتها بربها ودعا الخليفة ايضا فی عالم الاجساد بعد ان ظهر جسدا انسانيا آدميا فدعا الانس والجن وعرفهم بربهم فقد انذر الخليفة جميعا امن الكلُ به فی الاولية والاخرية (الی ان قال) انه نبی فی عالم الارواح والذر وارسل اليها بالفعل ودعاهم ثم نبی وارسل ثانيا فی عالم الاجساد بعد بلوغه اربعين سنة من عمره فامتاز عن الانبياء والرسل بانه نبی مرتين وارسل مرتين الاولی فی عالم الارواح للارواح وثانية فی عالم الاجساد للاجساد فقد دعا عليه السلام ودلّ علی الله تعالی فی كل من الحالتين كما تقدم والاشارة الی ذلك بقوله تعالی وما ارسلناك الا كافة الناس وجميع امهم وجميع المتقدمين والمتاخرين داخلون فی كافة الناس وكان داعيا بالاصالة وجميع الانبياء والرسل يدعون الخلق الی الحق عن تبعيته وكانوا خلفاء ونوابه فی الدعوة

مائل اور راغب ہوں۔ اور آپ نے اس اسم مبارک کا حق ادا کرتے ہوئے اور تقاضا پورا کرتے ہوئے عالم ارواح اور عالم ذر میں مخلوق کو دعوت دی۔ آپ ﷺ کی روح اقدس نے تمام ارواح کو دعوت دی اور اللہ تعالی کی ذات اور اس کی توحید کی طرف رہنمائی فرمائی اور انھیں اپنے رب کی پہچان کرائی اور آپ کے جسم اقدس مادہ اور جوہر نے (جو پشت آدم علیہ السلام سے برآمد کیا گیا تھا) دیگر تمام اجسام کے مواد کو (جن سے ان کی ارواح متعلق تھیں) دعوت دی انھیں اپنے رب تعالی کی طرف رہنمائی فرمائی اور اس کی پہچان کروائی اور آپ نے عالم اجساد میں نمودار ہونے پر بھی مخلوقات کو دعوت دی جبکہ آپ ﷺ خود آدمیت وانسانیت والے جسم کی حالت میں ظہور فرما ہوئے تو آپ نے اس حال میں انسانوں اور جنوں کو دعوت دی اور عذاب خداوندی سے ڈرایا اور تمام تر مخلوق کی ابتداء میں بھی اور آخر میں بھی آپ کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا۔ (درمیان میں امام سبکی کا کلام بطور تائید ذکر کرنے کے بعد) بیشک نبی کریم ﷺ کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بالفعل نبی اور رسول

بنایا گیا عالم اجساد میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد تو آپ کو دوسرے انبیاء ورسل علیہم السلام سے اسطرح امتیاز اور انفرادیت حاصل ہوگئی کہ آپ کو دو مرتبہ رسول بنایا گیا اور دو مرتبہ نبی بنایا گیا پہلی دفعہ عالمِ ارواح میں ارواح کیلئے اور دوسری دفعہ عالمِ اجسام میں اجسام کیلئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داعی ہیں کیونکہ آپ نے دونوں حالتوں میں اللہ تعالی کی طرف دعوت دی اور رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالی کے اس فرمان" وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا" میں اسی عموم کی طرف اشارہ ہے اور انبیاء ورسل علیہم السلام اور ان کی تمام امتیں اور تمام متقدمین اور متاخرین" کافۃ الناس" میں داخل ہیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ادوار میں اصل اور مستقل نبی و رسول ہونے کے لحاظ سے دعوت دینے والے تھے اور دوسرے انبیاء اور رسل حق کی طرف مخلوق کو دعوت دیتے تھے۔ آپ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اور آپ کی اتباع میں اس لئے الداعی کا لقب صرف اور صرف آپ کے شایانِ شان تھے۔ 1

خلاصہِ کلام: عبارتِ منقولہ میں موجود استاذی المکرم کے ترجمہ کو دیکھئے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ نبی بنایا گیا اور دو مرتبہ رسول بنایا گیا پہلی دفعہ عالمِ ارواح میں ارواح کیلئے اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں اجسام کیلئے۔ 2

عبارت منقولہ سے حاصل ہونے والے فوائد:

آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ میں تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل نبی تھے:

اگرچہ اہلِ علم کے اقوال ملتے ہیں کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل نبی تھے یا صرف اللہ کے علم میں نبی تھے۔ ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ آپ اس وقت تو صرف اللہ کے علم میں نبی تھے لیکن آدم علیہ السلام کے جسم اطہر میں روح پھونکنے کے ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز

1۔ جواہر البحار جلد ثانی بحوالہ تحقیقات، ازص 93-90

2۔ تحقیقات، ص 92

کردیا گیا۔ مسائل میں اقوال واختلاف ملتا ہی رہتا ہے۔ لیکن محققین علماء کا قول مندرجہ ذیل ہے۔

محققین علماء کا قول ہی استاذی المکرّم کا قول ہے:

جن حضرات نے ارشادِ نبوی "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" کو ظاہری معنی پر محمول کیا ہے اور آپ کیلئے عالم ارواح میں بالفعل اور عملی نبوت تسلیم کی ہے اور ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام سے فیض رسان اور مربی ہونا تسلیم کیا ہے انہوں نے آپ کے لئے دو نبوتیں اور رسالتیں تسلیم کی ہیں۔ پہلی عالم ارواح کے اعتبار سے اور دوسری عالم اجسام اور ابدان کے اعتبار سے 1۔

دورانِ تعلیم استاذی المکرّم کی تقریر کا لفظ بلفظ راقم کو یاد ہے:

مشکوٰۃ شریف پڑھاتے ہوئے استاذی المکرّم نے حدیث پاک "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام، روح اور جسم کے درمیان تھے) کے تحت آپ نے یوں تقریر فرمائی:

> اس حدیث پاک کے مطلب میں دو قول پیش کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے اس لئے کہ حدیث "باب فضائل سید المرسلین" کے تحت آرہی ہے۔ علمِ الٰہی میں تو سارے نبی ہی نبی تھے اس میں نبی کریم ﷺ کی تخصیص کیا؟ اس میں دوسرا قول ہی راجح ہے کہ آپ فی الواقع نبی تھے۔ اب اس پر سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ نبوت صفت ہے اور صفت کیلئے موصوف اور عرض کیلئے معروض کا پایا جانا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ پیدائش سے پہلے کیسے نبی تھے؟ تو اس کا جواب اب واضح ہے کہ اس وقت حقیقتِ مصطفیٰ کریم ﷺ موجود تھی۔ وہی موصوف تھی اسی کے ساتھ نبوت قائم تھی۔

1۔ تحقیقات علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ص 91-90

سوال: نبی کیلئے ضروری ہے تو اس وقت جب کوئی انسان پیدا نہیں ہوا تھا تو آپ ﷺ کسے تبلیغ کرتے تھے؟

جواب: اجسام بشریہ سے پہلے ملائکہ اور ارواح کی تخلیق ہو چکی تھی آپ ان کے ہی مربی و مبلغ تھے (انتھی تقریرہ)

استاذی المکرم کی تقریر جزؤں کی صورت میں آپ کی کتاب تحقیقات میں موجود ہے:

(۱) ایک جزء کو عبارت منقولہ میں ہی دیکھئے جسے دوبارہ بھی ذکر کردیا گیا ہے لیکن ابن حاجب کے مطابق تیسری بار سمجھنے والے پھر دیکھیں:

جن حضرات نے ارشادِ نبوی "کنت نبیاء و آدم بین الروح والجسد" کو ظاہر یمعنی پر محمول کیا ہے اور آپ کیلئے عالم ارواح میں بالفعل اور عملی نبوت تسلیم کی ہے اور ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کیلئے فیض رساں اور مربی ہونا تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے آپ کیلئے دو نبوتیں اور دو رسالتیں تسلیم کی ہیں۔ پہلی عالم ارواح کے اعتبار سے اور دوسری عالم اجسام اور ابدان کے اعتبار سے۔

اس عبارت کی مزید تائید استاذی المکرم کے ترجمہ سے دیکھئے:

اور آپ نے اسم مبارک (الداعی) کا حق ادا کرتے ہوئے اور تقاضا پورا کرتے ہوئے عالمِ ارواح اور عالم ذر میں مخلوق کو دعوت دی۔ آپ ﷺ کی روح اقدس نے تمام ارواح کو دعت دی اور اللہ تعالی کی ذات اور اس کی توحید کی طرف رہنمائی فرمائی اور انھیں رب تعالی کی پہچان کرائی۔

(۲) شیخ جلیل نورالدین کی عبارت جو استاذی المکرم نے نقل کی وہ آپ کی تقریر کا دوسرا حصہ ہے:

والمرد انه کان نبیاء بالفعل فانه تعالی لما   اس حدیث (کنت نبیاء و آدم بین الروح

اطلع علی عالم الارواح فی عالم الذر وقال الھم الست بربکم فاول من قال بلی محمد ﷺ فوھبہ مواھب شریفۃ تلیق بذاتہ وارسل روحہ الی ارواح الانبیاء فآمنوا بھا سبب ذلك بانہ لو قیل انہ کان نبیا فی علم اللہ تعالی و آدم بین الماء والطین لم یکن فی لتنصیص علی قولہ "کنت نبیا" الحدیث عظیم فائدۃ اذھم مستوون معہ فی ذلك فتعین تقریرہ علی ما ذکرنا

(جواہر البحار؛ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ ج 3 ص 89)

و الحسد) کا معنی مرادی یہ ہے کہ آپ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے کیونکہ اللہ تعالی نے عالمِ ذر اور نسمات آدم پر عالم ارواح میں تجلی اور ان سے دریافت کیا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؟ تو سب سے پہلے جس نے "بلی" (ہاں کیوں نہیں) کہا وہ محمد ﷺ تھے تو اللہ تعالی نے اسی وقت ان کو عظیم اور بزرگ تحفے اور ھدایا عطاء فرما دیئے جو ان کی ذات والاصفات کے شایانِ شان تھے اور آپ کی روح کو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کیلئے نبی اور رسول بنادیا تو وہ سب آپ پر ایمان لے آئے۔ اور اس معنی پر محمول کرنے کا سبب باعث یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کے علم میں نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور کیچڑ کے درمیان تھے تو آپ کے اس وقت میں نبی ہونے کی تخصیص اور تصریح کا کوئی عظیم فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ سبھی انبیاء علمِ الٰہی میں ہونے کے اعتبار سے آپ کے ساتھ مساوی اور ہم پلہ تھے لہٰذا اس حدیث کی یہی تشریح اور تفسیر متعین ہوگئی جو ہم نے ذکر کی ہے۔

علامہ نورالدین کی عبارت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) نبی کریم ﷺ کو ارواح کیلئے نبی اور رسول بنادیا گیا تھا۔

(۲) نبی کریم ﷺ کی روح کو تمام انبیاء کرام کی ارواح کیلئے نبی اور رسول بنادیا گیا تھا۔

(۳) نبی کریم ﷺ واقع میں نبی تھے صرف علمِ الٰہی میں آپ کے نبی ہونے کے قول سے آپ کی تخصیص ثابت نہیں ہوسکتی علمِ الٰہی میں نبی ہونے کا اعزاز تو سب انبیاء کو حاصل تھا۔ پہلے جو عبارت نقل کی اس سے آپ کو نبی الملائکہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ کا نبی الانبیاء ہونا:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص الکبری میں علامہ سبکی رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا' وہ فرماتے ہیں:

ان محمدا ﷺ نبی الانبیاء فھو کالسلطان الاعظم وجمیع الانبیاء کامراء العساکر ولو ادر کہ جمیع الانبیاء فوجب علیھم اتباعہ اذ ھو مبعوث الی جمیع الخلق من لدن آدم الی قیام الساعۃ فکانت الانبیاء کلھم نوابہ مدۃ غیبۃ جسمہ الشریف وکان کل نبی یبعث بطائفۃ من شرعہ ﷺ لا یتعداھا

بیشک نبی کریم ﷺ نبی الانبیاء ہیں آپ بڑے بادشاہ کی طرح ہیں اور تمام انبیاء چھوٹے لشکروں کے امیروں کی طرح ہیں اگر آپ کو آپ کی ظاہری حیات میں پالیتے تو ان پر آپ کی اتباع لازم ہوتی کیونکہ آپ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سب مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ جب تک آپ ﷺ دنیا میں تشریف نہیں لائے یعنی آپ کے جسم اطہر کی غیر موجودگی میں سب انبیاء کرام آپ کے نائب ہونے کی حیثیت میں رہے۔ ہر نبی کو آپ کی شریعت کا کچھ نہ کچھ حصہ عطاء کیا گیا ہے۔ جس سے انہوں نے تجاوز نہ کیا۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری وساری ہے۔

حضرت علی خواص فرماتے ہیں:

کان ﷺ مبعوثا الی الخلق اجمعین فی عالم الارواح والاجسام من لدن آدم الی قیام الساعۃ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۷۶)

نبی کریم ﷺ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے عالم ارواح میں بھی اور عالم اجسام میں بھی آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک۔

لوح وقلم کی تخلیق سے قبل نبی کریم ﷺ کی نبوت:

علامہ شیخ ابراہیم کورانی اپنے شیخ عارف قشاشی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ان نبوتہ صلی اللہ وعلیہ وسلم کانت سابقۃ علی خلق اللوح والقلم وما بعدھما۔

محبوب کریم ﷺ کی نبوت لوح وقلم اور بعد والی اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے محقق اور ثابت تھی۔

علامہ محقق شیخ احمد بن محمد بن ناصر سلاوی فرماتے ہیں:

فالظاهر ان بین ظرف زمان ای فی زمان کان بین خلق روحه و جسده فیفید ظهور نبوته بعد خلق روحه و قبل خلق جسده ای انه نبأه الله تعالی فی عالم الارواح واطلع الارواح علی ذالك وامرها بمعرفة والاقرار بها

(جواہر البحار ج4 ص210)

فرمان نبوی ﷺ "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" کے بارے میں یقینی امر یہ ہے کہ "بین" کا لفظ ظرف زمان ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نبی تھا اس زمانہ میں جو زمانہ آدم علیہ السلام کی روح اوران کے جسم کے درمیان تھا (یعنی جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے) تو اس کا مفاد اور مدلول یہ ہوگا کہ آپ کی نبوت آدم علیہ السلام کی روح پیدا ہونے کے بعد اور جسم پیدا ہونے سے پہلے ظاہر ہو چکی تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو عالم ارواح میں نبی بنادیا تھا اور ارواح کو اس حقیقت سے مطلع بھی فرمادیا تھا اور ان کو آپ کی نبوت اور معرفت اور اس کے اقرار اعتراف کا مامور اور مکلف بھی ٹھہرادیا تھا۔

اعتراض: لوح قلم کی تخلیق سے پہلے نبی کریم ﷺ کی نبوت تو صاحب تحقیقات نے رد کی ہے، اس کو عنوان بنانے کا کیا مطلب؟ آیئے! رد کے الفاظ "تنبیہ اول" اگر آنحضور ﷺ لوح وقلم کی تخلیق سے قبل یا ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کی تخلیق سے قبل بالفعل نبی ہوں تو "آدم بین الماء والطین" اور "آدم بین الروح والجسد" کی تخصیص اور تنصیص کا بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ راجح اور مختار یہی ہوگا کہ نور تو آنحضرت ﷺ کا ہر چیز سے پہلے پیدا کیا گیا لیکن بالفعل نبوت ورسالت اس وقت عطاء کی گئی جب ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام پیدا کردیئے گئے اگرچہ آدم علیہ السلام کا جسم ابھی پیدا نہیں کیا گیا تھا۔

جواب: استاذی المکرم نے اس کا رد نہیں کیا کہ نبی کریم ﷺ کو لوح وقلم کی تخلیق سے پہلے نبوت حاصل نہیں تھی البتہ بعض لوگوں نے اپنی ناسمجھی سے رد سمجھ لیا۔ استاذی المکرم نے "اول" کے تحت جو ذکر فرمایا اس میں چار مرتبہ بالفعل، کا لفظ ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے عالم ارواح کی پیدائش سے پہلے آپ بالقوۃ نبی ہیں،۔ یعنی علم الٰہی میں نبی ہیں کیونکہ آپ اس

وقت کسی کو تبلیغ نہیں فرما رہے تھے جب فرشتے بھی نہیں تھے اور روحوں کو بھی پیدا نہیں کیا گیا تھا لیکن آپ ملائکہ اور ارواح کی تخلیق کے بعد بالفعل نبی تھے کہ آپ ملائکہ اور اروح انبیاء کو تبلیغ فرما رہے تھے۔

مقام توجہ! کسی لفظ کے استعمال سے نسبت میں فرق آنے سے معانی بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں بالفعل یہی ہے جو میں نے بیان کردیا۔ جب استاذی المکرم نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے بعد چالیس سال تک "بالفعل نبوت" کی نفی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اتنے عرصہ میں انسانوں کو تبلیغ نہیں کی اور نہ ہی حلال وحرام کو بیان فرمایا۔ اس سے مراد بالفعل نبوت تشریعی کی نفی ہے۔

علامہ نبہانی کا قول استاذی المکرم نے نقل فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو مختلف مراتب حاصل تھے:

وبالجملة فحقيقة سابقة على خلق آدم فيستفاد ان نبوته مقدرة فى العلم اولا اى علم الله تعالى بانه يصير نبيا وهذا المرتبة الاولى ثم خلق نوره وهذا المرتبة الثانية ثم كتبه فى ام الكتاب وهذه فى المرتبه الثالثة والنبوة الثانية ثم اظهره للملائكه وهذا المرتبة الرابعة والنبوة الثالثة ثم اظهر للوجود وهذه المرتبة الخامسة والنبوة الرابعة فقد علم اتصاف حقيقته ﷺ وصل بالاوصاف الشريفة المفاضة عليه من الحضرة الالهيه من اول الامر قبل خلق كل شیء و انما تاخر اتصافه بالأوصاف الوجودية العينية لجسده

خلاصہ یہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ کی حقیقت آدم کی تخلیق سے مقدم ہے تو اس سے مستفاد (یہ ہوا کہ آپ کی تخلیق اور حصول نبوت کے کئی مراتب ہیں اور مراحل ہیں) کہ پہلے پہل کہ آپ کی نبوت علم الٰہی میں مقدرت تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ آپ نبی بنیں گے یہ پہلا مرتبہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور پیدا کیا یہ دوسرا مرتبہ۔ پھر لوح محفوظ (کو پیدا فرمایا) اس میں آپ کی شان ثبت فرمائی یہ تیسرا مرتبہ و مرحلہ ہوا (ازروئے تخلیق) اور دوسرا مرتبہ ہوا۔ نبوت کا پھر ملائکہ (کو پیدا فرما کر ان) پر اس امر کا اظہار فرمایا یہ چوتھا مرتبہ ہوا (ازروئے

لجسدہ لما وجد فی الدنیا۔ تخلیق) اور نبوت کا تیسرا مرتبہ ہوا۔ پھر بالفعل
(جواہر البحار ج 4 ص 211) آپ کو موجود فرمایا اور موجودات پر ظاہر فرمایا تو
یہ پانچواں مرتبہ ہوا (از روئے تخلیق) اور چوتھا مرتبہ ہوا نبوت کا تو معلوم ہوگیا آپ کی حقیقت مقدسہ کا اوصاف شریفیہ کمالیہ سے متصف ہونا جو آپ پر بارگاہ الوہیت کی طرف سے فیضان کئے گئے تھے۔ اول امر سے ہی جب کوئی شے تخلیق نہیں کی گئی تھی اگر التواء اور تاخیر پائی گئی تھی تو صرف اور صرف دنیا میں موجود ہونے پر آپ کے جسدِ اطہر کے اوصاف وجودیہ خارجیہ محسوسہ کے ساتھ اتصاف میں۔

خلاصہ کلام:

(۱) جب کوئی چیز بھی پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت ہی نبی کریم ﷺ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیضان کرتے ہوئے ہر قسم کے کمال اور اعلیٰ اوصاف سے متصف کردیا گیا تھا۔

(۲) جب تک آپ کی ولادت نہیں ہوئی اور آپ کا جسمِ اطہر موجود نہیں ہوا اس وقت تک وہ کمال آپ کی حقیقت کو حاصل رہے۔ اور جب آپ کا جسمِ اطہر دنیا میں موجود ہوگیا تو وہی کمالات جسم کے ساتھ مل کر محسوس ہونے لگے۔

(۳) آپ کی پیدائش سے پہلے کمالات غیر محسوس تھے اور آپ کی پیدائش کے بعد محسوس ہونے کے درجہ میں آگئے۔

(۴) آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے اوصاف حمیدہ اور کمالات شریفہ معلوم تھے اسی وجہ سے انبیاء کرام نے اپنے اپنے زمانہ میں انھیں بیان کیا اور پہلی آسمانی کتب میں ان کا ذکر موجود تھا۔

(۵) نبی کریم ﷺ کی تخلیق کے پانچ مراتب ہیں اور نبوت کے چار مراتب ہیں۔

تخلیق اور نبوت کے چار مراتب مشترکہ:

(۱) آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے نبی کریم ﷺ کی حقیقت کی تخلیق اور علم الٰہی میں آپ

کی نبوت کو مقدر کرنا۔ یہ پہلا مرتبہ ہے تخلیق و نبوت کا۔ اس کے بعد دوسرا مرتبہ آپ کے نور کی تخلیق کا ہے اس میں نبوت کا درجہ نہیں پایا گیا۔ اسی وجہ سے تخلیق کا ایک درجہ زائد ہے۔

(۲) اس کے بعد لوح محفوظ کو پیدا کر کے آپ کی شان کو اس میں ثابت کیا گیا۔ یہ تخلیق کا درجہ بھی ہے اور نبوت کا بھی۔ البتہ تخلیق کا تیسرا درجہ اور نبوت کا دوسرا درجہ ہے۔

(۳) پھر ملائکہ کو پیدا کر کے آپ کے اوصاف و نبوت کو ان پر ظاہر کر دیا گیا۔ یہ درجہ بھی تخلیق اور نبوت میں مشترک ہے۔ البتہ تخلیق کا یہ درجہ چوتھا ہے اور نبوت کا درجہ تیسرا ہے۔

(۴) پھر آپ کو بالفعل موجود فرمایا یعنی نبی کریم ﷺ کی ولادت فرمائی اور موجودات پر آپ کو ظاہر کیا۔ یہ درجہ بھی تخلیق و نبوت کا مشترک ہے۔ البتہ تخلیق کا پانچواں مرتبہ ہے اور نبوت کا چوتھا مرتبہ ہے۔

اعتراض: صاحب تحقیقات نے ادھر جواہر البحار کی یہ عبارت نقل کر دی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کو نبوت بھی حاصل ہے یہ درجہ تخلیق و نبوت کا مشترک بھی ہے اور ایک ساتھ ہونے کا تقاضا بھی کرتا ہے ادھر صاحب تحقیقات چالیس سال تک نبی کریم ﷺ کی نبوت کے حاصل ہونے کا انکار بھی کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی سلب (چھن جانے) کے قائل ہیں۔ جواہر البحار کی عبارت کے خلاف ان کا مؤقف ہے کیا یہ تعارض نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا تمہارے نزدیک کیا جواب ہے؟

جواب: یہ استاذی المکرّم پر بہتان عظیم ہے نہ ہی آپ نے کہیں یہ کہا کہ نبی کریم ﷺ چالیس سال تک نبوت سے خالی رہے آپ کو نبوت حاصل ہی نہ تھی۔ اور نہ آپ نے یہ فرمایا آپ کی نبوت آپ سے سلب کر لی گئی۔

استاذی المکرّم کا ارشاد آپ ﷺ کی نبوت دائم باقی و مستمر ہے سلب نہیں ہوئی:

علامہ سلیمان جمل کی عبارت جو پہلے نقل کی جا چکی ہے اس پر تبصرہ استاذی المکرّم نے یوں فرمایا:

''علامہ سلیمان جمل نے بھی دوسری جسمانی نبوت چالیس سال کی عمر میں

تسلیم فرمائی اور پہلی روحانی نبوت کو بھی دائم اور باقی اور مستمر تسلیم کیا ہے۔اس کے سلب ہو جانے کا شائبہ بھی نہیں ظاہر ہونے دیا بلکہ روح مجرد اور روح بدن میں حلول اور عالم اجسام کی طرف نزول کا فرق واضح کیا ہے کہ روح اقدس کی ارواح کیلئے نبوت الگ معاملہ ہے اور بدن اقدس سے تعلق حلول کے بعد ابدان واجسام انسانیہ کیلئے نبی ورسول ہونے کا معاملہ جداگانہ۔(تحقیقات، ص ۹۳)

استاذی المکرم کے ارشاد کی وضاحت:

علامہ سلیمان جمل کی عبارت سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت دو قسم ہے:

(۱) روحانی (۲) جسمانی

روحانی نبوت:

جب تک نبی کریم ﷺ صرف روح کی حیثیت میں رہے جب تک آپ کے روح کا تعلق جسم سے نہیں ہوا اس وقت تک آپ کی نبوت صرف روحانی رہی کہ آپ ارواح انبیاء کے مبلغ رہے۔

جسمانی نبوت:

ولادت کے بعد جب نبی کریم ﷺ عمر شریف چالیس برس کی ہوئی تو آپ کو جسمانی نبوت عطاء ہوئی جس کی وجہ سے آپ نے انسانوں کو تبلیغ فرمائی۔جب تک صرف روح تھا تو صرف روحانی نبوت آپ کو حاصل رہی اور جب آپ کی پیدائش ہوئی تو چالیس سال کی عمر تک آپ کو وہی روحانی نبوت حاصل رہی۔چالیس سال کے بعد آپ کو جب جسمانی نبوت حاصل ہوئی تو وہ روحانی نبوت بھی ساتھ ہی رہی اس طرح چالیس سال کے بعد دونوں نبوتیں مجتمع ہو گئیں کیونکہ روحانی نبوت جب سے آپ کو حاصل ہوئی اس وقت سے لے ہمیشہ کیلئے آپ کو حاصل ہے، حاصل رہے گی کیونکہ وہ دائم (ہمیشہ) ہے۔باقی ہے اور مستمر (ہمیشہ کے لئے جاری) ہے۔

نبوت جسمانی کیا ہے؟

اس کی تعریف الیواقیت والجواہر سے اور استاذی المکرم کی کتاب تحقیقات میں علامہ سلیمان جمل کی عبارت جو نقل کی گئی اس سے بیان کردی گئی۔ پھر رسالت کی تعریف بھی الیواقیت والجواہر سے بیان کردی گئی ہے تاہم آسان الفاظ میں پھر سے سمجھ لی جائے کہ نبوت جسمانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچائے جائیں یعنی اوامر ونواہی۔ حلال وحرام وغیرہ۔ یہ نبوت جسمانی جس کا دوسرا نام نبوت تشریعہ بھی اور بندوں کو احکام پہنچانے کے لحاظ سے نبوت بالفعل بھی جس کو پہلے بیان کی جاچکا ہے کہ چالیس سال بعد آپ کی نبوت بالفعل کا یہی معنی ہے جسے اب دوبارہ بھی ذکر کردیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وصال کے بعد جاری ہے:

لیکن وہ نبوت بھی روحانی ہے۔ آپ کی رسالت آپ کی ظاہری حیات میں بغیر کسی واسطہ کے تھی اور وصال کے بعد تا قیامت جاری تو ہے لیکن بواسطہ علماء کرام۔ اس کا ذکر بھی پہلے کیا جاچکا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے نا قابل نسخ واختتام پر استاذی المکرم کا ارشاد:

ان کی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت ورسالت دائمی اور ابدی ہے۔ نا قابل نسخ واختتام ہے ان کی شریعت آخری شریعت ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے"۔ "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" آج (حجۃ الوداع کے موقع پر) میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمہارے لئے فقط دین اسلام کو ہی پسند کیا۔ ان کی کتاب آخری کتاب ہے اور کتاب کہلانے کی فقط وہی حقدار ہے۔ ذلک الکتاب لاریب فیہ یہ قران ہی وہ کامل کتاب ہے جس میں ریب وشک کی کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی حفاظت اور نگہبانی فرمانے والا ہے اور تا قیامت اس کی صحت و

بقاء کا ذمہ دار ہے۔" انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" لہٰذا ان کی نبوت ورسالت بھی ناقابل نسخ وتبدیل بلکہ ابدی اور دائمی ہے۔" ولکن رسول اللہ خاتم النبیین " لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔" وکان اللہ بکل شیء علیما " اور اللہ رب العزت ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ میرا یہ رسول آخری نبی ہے لہٰذا نہ اس کے علم کے خلاف ممکن ہے نہ ان کے بعد کوئی نیا نبی ممکن۔

خاتم الانبیاء نے اپنی ختم نبوت اور غیر منسوخ رسالت کو اپنی امت کے سامنے بالکل عام فہم اور سادہ انداز میں بیان فرمایا جس کی آیہ مذکورہ بالا کی تفسیر وتاویل اور تشریح وتفصیل میں کسی بھی مخلص مومن کیلئے شک وتردد کی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی' بخاری ومسلم کی متفقہ روایت ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل قصر احسن بنیانہ وترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ انظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلک اللبنۃ فکنت ان سددت موضع تلک اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل وفی روایۃ فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین

(کوثر الخیرات' ص ۵۲-۵۳)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میری اور تمام انبیاء کرام اور رسل عظام علیہ وعلیہم السلام کی مثال یوں ہے جیسا کہ ایک محل ہو اس کی تعمیر بہت احسن طریقہ پر کی گئی ہو اور صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، نظارہ کرنے والے اس کے اردگرد پھرے اور اس کی حسن تعمیر پر تعجب کرتے رہے سوائے اس ایک اینٹ والی چھوڑی ہوئی جگہ کے۔ پس میں نے اس ایک اینٹ کی جگہ کو بند کر دیا۔ میرے ساتھ اس عمارت کی تکمیل ہوئی اور مجھ پر سلسلہ رسالت ونبوت کا اختتام ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے جس قصر رسالت ونبوت کی تکمیل ہوئی۔ میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں سب نبیوں سے آخری نبی ہوں۔

سب سے پہلے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں' استاذی المکرم کا ارشاد:

بظاہر اول انبیاء حضرت آدم علیہ السلام لیکن درحقیقت اول بھی آپ ہیں:

○ عن ابی ہریرہ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوة قال آدم بین الروح والجسد

(رواہ الترمذی)

حضرت ابی ہریرہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نبوت آپ کے لئے کب ثابت ہوئی اور آپ کب سے نبی بنے۔ تو آپ نے فرمایا میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے روح کا تعلق ابھی جسم پر نہیں ہوا تھا۔

○ عن العرباض بن ساریة عن رسول اللہ ﷺ انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبین و آدم لمنجدل فی طینته

(رواہ فی شرح السنۃ مشکوۃ)

حضرت عرباض فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس وقت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین اور آخری نبی لکھا ہوا ہوں۔ جبکہ آدم علیہ السلام اپنے آب وگل میں تھے اور ان کا ابھی خمیر بھی مکمل نہیں ہوا تھا۔

فائدہ:

بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ روح شریف وے ﷺ نبی بود در عالمِ ارواح کہ تربیت ارواح میکرد چنانکہ دریں عالم بجسد شریف مربی اجساد بود و تحقیق ثابت شدہ است خلق ارواح قبل از اجساد

(اشعۃ اللمعات)

بعض عرفاء نے اس حدیث پاک تشریح میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا روح مبارک عالم ارواح میں منصب نبوت پر فائز تھا اور آپ ارواح میں تمام روحوں کی تربیت فرماتے تھے جیسا کہ عالم اجساد میں جسم پاک کے لحاظ سے آپ تربیت فرماتے رہے اور تحقیق سے ثابت ہے کہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔

لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں جس نبوت کا ذکر فرمایا گیا وہ نبوت حقیقیہ ہے اور امر محقق اور خارجی ہے نہ کہ محض علم الٰہی کے لحاظ سے ورنہ سب انبیاء علمِ الٰہی کے لحاظ سے اس وقت سے بلکہ اس سے پہلے بھی نبی تھے۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ نبوت کا مبدأ بھی آپ کی ذات ہے اور منتہیٰ بھی، درختِ نبوت و رسالت کی جڑھ اور تخم بھی آپ ہیں اور اس کا ثمر و پھل بھی۔ لہذا ان کی ذات پر نبوت کو ختم فرما دیا اور آپ کی نبوت و رسالت کو دائمی اور ابدی بنا دیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

سب انبیا تارے ہیں تم مہر مبین
سب جگمگائے رات بھر چھپے جو تم کوئی نہیں 1

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد دیکھئے:

تمام انبیاء روزِ میثاق ان کی اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کا وعدہ کر کے اور شب معراج اس وعدہ کو پورا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ سب نبیوں کا نبی۔ سب رسولوں کا رسول۔ سب اماموں کا امام، سب سرداروں کا سردار محبوب خدا سید ابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ابھی انبیاء کرام اور رسولانِ عظام پیدا بھی نہیں ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کو تاجِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور جب پیدا ہو چکے تو سب کو اس شمع نبوت و رسالت کا پروانہ بنایا اور گلشن ہستی میں کوئی ایسا سرو بالا نہ رہنے دیا جو محبوب کی کمند عز و عظمت کی زد میں نہ ہو۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں:

اعطاء النبوة من ذلك الوقت ثم اخذ له المواثيق على الانبياء ليعلموا انه المقدم عليهم وانه نبيهم و رسولهم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطاء کرنا پھر انبیاء کرام سے آپ کی تابعداری کا وعدہ لینا اس کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء کرام کو معلوم ہو جائے کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مقدم اور بیشک ان کے نبی اور رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرّ عیاں ہو معنی اول و آخر
کہ ہیں دست بستہ پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے 2

1۔ کوثر الخیرات، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ص 60-61

2۔ کوثر الخیرات، شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ص 88

استاذی المکرم کا ایک اور ارشاد دیکھئے:

امام قسطلانی فرماتے ہیں:

" ولما اعطی صلی الله علیه وسلم هذا المعزلة علمنا انه صلی الله علیه وسلم الممد لکل انسان کامل مبعوث فهو صلی الله علیه وسلم جنس العالی علی جمیع الاجناس والاب الاکبر لجمیع الموجودات والناس"

(کوثر الخیرات ،ص 314-315)

جب آنحضرت ﷺ کو عالم ارواح میں ہی منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا ہے جبکہ ابھی ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ہی نہیں تھا اور ان کی تخلیق منزل تکمیل تک نہیں پہنچی تھی تو اس سے ہم کو یہ یقین ہو گیا کہ حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہر انسان کامل اور نبی و رسول کیلئے ممد و معاون ہیں اور تمام اجناسِ عالم کی جنس عالی ہیں اور تمام موجودات کیلئے علی العموم اور انسانوں کیلئے علی الخصوص اصل و اساس ہیں

عالم ارواح میں نبوت کب حاصل ہوئی؟ اس کے مراتب و مراحل کا بیان:

یہ عنوان بھی استاذی المکرم نے ہی قائم کیا ہے۔ اگر چہ آپ کا موقف پہلے ہی کافی حد تک بیان کیا گیا ہے۔ تاہم پھر دو تین اقتباسات دیکھتے چلے جائیں۔ مذکورہ بالا عنوان کے تحت استاذی المکرم فرماتے ہیں:

> جن حضرات نے ارشاد مصطفوی ﷺ "کنت نبیاء آدم بین الروح والجسد" اور اس مضمون کی دیگر احادیث اور روایات کو بالفعل نبوت حاصل ہونے پر محمول کیا ہے تو ان میں سے بعض حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم اقدس کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے آپ کی روح اقدس کو اس اعزاز اور شرف کے ساتھ معزز اور مشرف ٹھہرایا گیا۔
>
> چنانچہ سید احمد عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس المعنى انه كان نبيا في علم الله تعالىكما قيل لا نه لا يختص به بل ان الله خلق روحه قبل سائر الارواح و خلع عليها خلعة التشريف بالنبوة اى ثبت لها ذلك الوصف دون غيرها في عالم الارواح اعلاما للملا الاعلى به (الى) وهذا هو المراد بقوله ﷺ ان الله خلق نوري قبل ان يخلق آدم باربعة عشر الف عام كمارواه ابن القطان و في رواية يسبح ذالك النور " وتسبح الملائكة بتسبيحه " وهذا يؤيد انه ﷺ مرسل للملائكة كغيرهم فهذا صريح في انه ﷺ ظهرت نبوته في الوجود العيني قبل نبوة آدم وغيره وان الملائكة لم تعرف نبيا قبله

(جواہر البحار ج 3 ص 357)

ارشاد نبوی ﷺ "کنت نبیا" الحدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے علم میں نبی تھے جیسے کہ کہا گیا ہے کیونکہ علم الٰہی میں نبی ہونا کوئی آپ کی خصوصیت نہیں (تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے علم ازل سے نبی ہیں جبکہ یہاں آپ اپنی خصوصیات بیان فرمارہے ہیں) بلکہ مطلب اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح اقدس کو دیگر تمام ارواح سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو نبوت والی خلعت کے ساتھ مشرف فرمایا یعنی آپ کو یہ وصف حاصل ہوا بخلاف دیگر ارواح کے ملأ اعلیٰ اور عالم بالا کے باسیوں کو آپ کے اس اعزاز امتیاز سے آگاہ کرنے کے لیے (تا) اور یہی مراد ہے نبی مکرم ﷺ کے اس ارشاد سے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔

جیسے کہ ابن قطان محدث نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کا نور اقدس تسبیح کہتا تھا اور ملائکہ اس کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کہتے تھے یعنی بطور اتباع اور اقتداء ۔ اور یہ روایت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت آدم علیہ السلام اور دیگر حضرات کی نبوت سے قبل اپنے عینی اور خارجی وجود کے ساتھ ظاہر اور متحقق ہو چکی تھی اور ملائکہ کی معلومات کے مطابق آپ سے پہلے کوئی دوسرا نبی نہیں تھا۔[1]

1۔ تحقیقات، ص 94-93

اس عبارت سے بھی واضح ہوا:

کہ نبی کریم ﷺ آدم علیہ السلام جبکہ پانی اور کیچڑ میں تھے فی الواقع (حقیقت میں) نبی تھے صرف علمِ الٰہی کی بات نہیں کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کی تخصیص نہیں علمِ الٰہی میں سب انبیاء کرام نبی ہی تھے نبی کریم ﷺ کی روح کو سب روحوں سے پہلے پیدا فرمایا پھر آپ کو رب قدوس نے نبوت سے نوازا۔ آپ کی تسبیح کے ساتھ فرشتے تسبیح کہتے تھے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے آپ کی نبوت عینی اور خارجی وجود سے متحقق ہو چکی تھی۔ یہ نبوت بھی روحانی تھی ارواح اس وجود سے مطلع تھے۔ اور اس سے فیض حاصل کر رہے تھے۔ یہی مطلب ہے عینی اور خارجی کا۔

استاذی المکرم نے حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا:

ان المعرفة حصلت للنبی ﷺ حین کان الحبیب مع الحبیب ولا ثالث معهما فهو ﷺ اول المخلوقات فهناك سقیت روحه الکریمة مع الانوار القدسیة والمعارف الربانیة ما صارت به اصلا لکل ملتمس ومادة لکل مقتبس۔

(تحقیقات ص 90-89)

یہ مخصوص معرفت نبی مکرم ﷺ کو اس وقت سے حاصل تھی جبکہ حبیب کریم ﷺ حبیب کبریاء جل وعلا (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ تھے اور کوئی تیسری ذات ان کے ساتھ نہیں تھی تو نبی کریم ﷺ اولین مخلوق ہیں اور اسی اولیت میں کوئی شے آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے اور وصل اور تمام ربط کی حالت میں آپ کی روح اقدس اور طالبوں کیلئے اصل اور معارف ربانیہ کے ساتھ سیراب کیا گیا کہ آپ ﷺ آنے والے اہلِ التماس اور طالبوں کیلئے اصل اور بنیاد قرار پائے اور اہلِ اقتباس کیلئے منبع اور اساس قرار پائے۔

اعتراض: یہ عبارت جس فائدہ پر صاحب تحقیقات نے نقل کی ہے اس سے تو نبی کریم ﷺ کی چالیس سال تک نبوت کا انکار ہو رہا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے "اگر بچپن سے ہی آپ منصب نبوت پر فائز ہوتے اور تین دفعہ شق صدر بھی ہو چکا تھا تو چالیس سال کے طویل عرصہ تک وہ مرتبہ و مقام کیوں حاصل نہ ہوا جو ابتدائے وحی کے گیارہ سال بعد اور چوتھے شق صدر تقریباً اکیاون سال کی عمر میں ظہور پذیر ہو رہا ہے جبکہ بدن سے تعلق اور حلول سے قبل ہزاروں لاکھوں

سال آپ کو وصل باری تعالیٰ کا عظیم وجلیل مرتبہ حاصل رہا۔ (تحقیقات ص ۸۹)

جواب: استاذی المکرم نے حضرت عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے۔ اس کی وضاحت کے آخر میں یہ تحریر فرمایا ہے "روح مجرد اور بدن سے حلول تعلق رکھنے والی روح میں فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے اور دونوں کے درجات و مراتب اور صلاحیات اور استعدادات کا تفاوت مدنظر رکھنا واجب اور لازم ہے۔ (تحقیقات ص ۹۰)

استاذی المکرم کی عبارت کی وضاحت:

نبی کریم ﷺ کی روح مبارک کا تعلق بدن (جسم) سے جب تک نہیں ہوا تب تک وہ روح مجرد تھی اس وقت وہ صرف ارواح کی مربی تھی اس وقت مرتبہ کی اور حیثیت تھی اور جب اس کا تعلق جسم سے ہو گیا تو پہلی حیثیت بھی برقرار رہی اور اجسام تک احکام پہنچانے کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی یعنی نبوت روحانی اور جسمانی دونوں حاصل ہو گئیں۔ اس طرح "وللآخرة خير لك من الاولى" کے مطابق پہلے مرتبہ سے دوسرا مرتبہ زائد ہو گیا۔

پہلے نبوت کی جو دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سلیمان جمل کی عبارت کو پھر دیکھیں تو راقم کی وضاحت آپ کو زیادہ سمجھ آجائے گی۔

کسی ایک کو بھی نبی کریم ﷺ کے واسطہ کے بغیر علم عطاء نہیں کیا گیا:

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے سوال و جواب کی صورت میں اس مسئلہ کو یوں بیان فرمایا:

سوال : کیا کسی ایک بشر کو نبی کریم ﷺ کے واسطہ کے بغیر علم حاصل ہوا؟

جواب: شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فتوحات کے باب ۴۹۱ میں بیان فرمایا:

"ليس احد ينال علما فى الدنيا الا وهو من باطنية محمد صلى الله عليه وسلم والعلماء المتقدمون على مبعثه والمتاخرون عنه

(الیواقیت والجواہر ج 2 ص 349)

کسی ایک کو بھی دنیا میں سوائے نبی کریم ﷺ کے واسطہ کے علم نہیں عطاء کیا گیا خواہ انبیاء کرام ہوں یا علماء متقدمین ہوں یا متاخرین۔ آپ کی بعثت سے پہلے بھی اور بعد بھی سبھی کو علم آپ کے ذریعے سے حاصل ہوا۔

حقیقت نبوت کیا ہے؟

ھو خطاب الله شخصا بقوله انت رسولی واصطفیتك لنفسی

(الیواقیت والجواہر ج2 ص295)

وہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے کسی شخص کو جو منصب نبوت پر فائز ہونے کے لائق ہے کہ تو میرا رسول ہے اور میں نے تجھے اپنا رسول بنانے کیلئے چن لیا ہے، پسند کرلیا ہے۔

رب تعالیٰ رسالت کیلئے ان کو ہی منتخب کرتا ہے جو اس منصب کے لائق ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "الله اعلم حیث یجعل رسالته" (پ ۸، سورہ الانعام آیۃ ۱۲۷) اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ (کنز الایمان)

نبوت کسبی ہے یا وہبی؟

لیست النبوة مکتسبة حتی یتوصل الیها بالنسك و الریاضات کما ظنه جماعة من الحمقی فان الله تعالیٰ حکی عن الرسل بقوله " قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن الله یمن علی من یشاء من عباده (سورہ ابراهیم آیه ۱۱) و امر النبی صلی الله علیه وسلم ان یقول سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا (سورة الاسراء آیة ۹۳) فالنبوة اذن محض فضل الله تعالیٰ۔

(الیواقیت والجواہر ج2 ص295)

نبوت کسبی نہیں یہ عبادات و ریاضات کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ احمقوں کی ایک جماعت نے گمان کیا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے کلام کی حکایت بیان فرمائی ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ فرمائیں " پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔ نبوت صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔

کیا نبوت ولایۃ نبی کی طرح کسبی ہے یا وہبی:

الولایة فی کل من النبی والولی مکتسبة و

ہر نبی کی ولایت اور ہر ولی کی ولایت کسبی ہے

ما خرج عن الکسب سوی النبوۃ و ایضاح ذلک ان اللہ تعالیٰ قد خلق الخلق علی منازل بحسب ما سبق فی علمہ فجعل الملائکۃ ملائکۃ والرسل رسلا والانبیاء انبیاء والاولیاء اولیاء والمؤمنین مؤمنین والمنافقین منافقین والکافرین کافرین کل ذلک ممیز عندہ سبحانہ وتعالیٰ لا یزاد فیھم ولا ینقص منھم۔

(الیواقیت والجواہر ج2 ص295)

کسب سے کوئی چیز خارج نہیں سوائے نبوت کے یعنی نبوت کسبی نہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اپنے علم کے مطابق مختلف مراتب پر۔ اللہ کے علم میں جو ملائکہ تھے ان کو ملائکہ ہی بنایا اور جو رسول تھے ان کو رسول ہی بنایا۔ جو انبیاء تھے ان کو انبیاء ہی بنایا۔ اور جو اولیاء تھے ان کو اولیاء ہی بنایا۔ اور جو مؤمن تھے ان کو مؤمن ہی بنایا اور جو منافق تھے ان کو منافق ہی بنایا اور جو کافر تھے ان کو کافر ہی بنایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام ہی ایک دوسرے سے ممیز تھے۔ اس کے علم کے خلاف نہ کسی میں زیادتی ہو سکتی اور نہ کمی۔

علامہ شعرانی کے قول سے سمجھ آیا کہ "ولایت، ایمان، نفاق اور کفر سب کسبی ہیں لیکن رسالت و نبوت وہبی ہیں۔

اعتراض: گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ علامہ شعرانی اس کے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام مخلوق کے رسول ہیں اس پر انہوں نے حدیث پاک اور آیات سے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ لیکن وہ اپنے شیخ علی خواص کا ایک قول پیش کر رہے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ علی خواص اس کے قائل ہیں کہ فرشتوں کی ایک جماعت کے آپ کے رسول نہیں ہیں۔

یہ قول خود علی خواص رحمہ اللہ کے اپنے قول کے بھی مخالف ہے۔ پہلے انہوں نے یہ بیان کیا:

"کان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوثا الی الخلق اجمعین فی عالم الارواح والاجسام من لدن آدم الی قیام الساعۃ

رسول ﷺ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے عالم ارواح میں بھی اور عالم اجسام میں بھی آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک۔

اس سے آگے علامہ شعرانی کہتے ہیں: میں نے اپنے شیخ کو فرماتے ہوئے سنا:

"الملائکہ علی ثلاثہ اقسام (قسم) ارسل الیھم محمد ﷺ بالامر والنھی معا وھم الملائکۃ الارضیون وما بین الارض والسماء الاولی (وقسم) ارسل الیھم بامر فقط وھم ملائکہ السماوات فانھم لایذوقون للنھی طعما انما ھم فی الامر فقط قال تعالی "لا یعصون اللہ ماامرھم ویفعلون ما یؤمرون (سورۃ التحریم آیہ ۲۸،۶) (قسم) لم یرسل اصلا لا بامر ولا نھی وھم الملائکۃ المشار الیھم بقولہ تعالی لابلیس استفھام انکار استکبرت ام کنت من العالین (سورۃ ص آیۃ ۲۵) فان ھولاء الملائکۃ عابدون اللہ تعالی بالذات التی جبلھم علیھا لا یحتاجون الی رسول بل ھم مھیمون فی جلال اللہ تعالی لا یعرفون ان اللہ تعالی خلق آدم ولا غیرہ

ملائکہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک قسم کی طرف نبی کریم ﷺ کو امر ونہی دونوں عطاء کر کے بھیجا گیا، یعنی آپ نے ان کو امر بھی فرمایا اور نہی بھی۔ یہ زمین والے اور زمین و آسماں کے درمیان والے فرشتے ہیں۔ (۲) دوسری قسم جن کی طرف آپ فقط امر دے کر بھیجے گئے ہیں وہ آسمان کے فرشتے ہیں۔ انہوں نے نہی کا کوئی ذائقہ نہیں چکھا وہ صرف امر میں ہی رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا " جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (۳) تیسری قسم وہ فرشتے ہیں جن کی طرف نبی کریم ﷺ کو نہ ہی امر دے کر اور نہ ہی نہی دے بھیجا گیا ہے۔ یہ وہ ملائکہ ہیں جن کو " عالون" (بلند مرتبے والے) کہا گیا ہے۔ جیسا کہ رب تعالی نے ابلیس کو استفہام انکاری کے طور پر فرمایا کیا تو نے تکبر کیا یا تو تھا ہی عالین میں سے۔ (راقم) (علامہ شعرانی کی تحریر کے مطابق یہی ترجمہ صحیح ہے۔ اگرچہ اعلی حضرت نے ترجمہ کیا۔ کیا تو تھا ہی مغروروں میں سے) یہ ملائکہ اللہ تعالی کی عبادت کرنے والے ہیں بالذات اپنی جبلی فطرت کے لحاظ سے، وہ پہچانتے ہی نہیں تھے۔ کہ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو یا کسی اور کو پیدا کیا ہے۔

جواب:

فلیتامل القسم الاول ویحرر فانہ غریب فی کلامھم واللہ اعلم

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا چند لفظوں میں جواب دے دیا کہ شیخ کا یہ کلام جس میں فرشتوں کی تقسیم کی گئی یہ معتبر نہیں۔ قسم اول کی طرف سوچ کرو یعنی رسول اللہ ﷺ سب فرشتوں کے رسول ہیں۔ سب کے ہی مربی ہیں اور ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں [1]۔

استاذی المکرم نبی کریم ﷺ کی رسالتِ عامہ اور تمام انبیاء کے خصائص کی جامع ہونے کو بیان کرتے ہیں:

آپ ﷺ تمام اجزاء عالم اور ذرات موجودات کی طرف مبعوث ہیں فرمایا "وما ارسلت الی الخلق کافۃ "میں ساری مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہوں۔ فرمایا" ما من شی الا وقد یعلم انی رسول اللہ "جہاں کی کوئی شے ایسی نہیں جو یہ نہ جانتی اور نہ مانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چاند کا انگلی اٹھتے ہی کلیجہ شق ہو جاتا ہے۔ اشارہ پاتے ہی سورج الٹے پاؤں واپس آ جاتا ہے۔ پیغام پہنچتے ہی درخت جڑوں پر چلتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور نگاہ اٹھتے ہی پتھر پانی پر تیرتے ہوئے حاضر بارگاہ ہو کر نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہیں جانور سجدہ کرتے ہیں۔ اپنی شکایات پیش کر کے اپنے دکھوں اور دردوں کا مداوا طلب کرتے ہیں۔

غرضیکہ اس محبوب کریم ﷺ کی رسالت و نبوت، عزت، عظمت کی ہر مخلوق معترف۔ ان کے حکم کے سامنے ہر مخلوق کی گردخم، ان کا سکہ، حکومت آسماں و زمین میں رواں، ان کی بادشاہت دنیا و آخرت اور میدان محشر میں جاری و ساری۔

رسول اکرم نبی اعظم اور وزیر اعظم انہی کی ذات بابرکات ہے' باقی سب آپ کے امتی' تابع اور خلفاء نائب ہیں:

آپ کی نبوت و رسالت اپنے ثمرات و نتائج، فضائل و فوائد (کی وجہ سے) کمالات انبیاء کرام اور معجزات و خصائص رسل عظام علیہم السلام کو جامع ہے اور ہر نبی و رسول کے درجہ کمال اور حسن لازوال کو محیط اور شامل ہے۔ گویا یہ نبوت و رسالت ایک نبوت نہیں بلکہ ایک لاکھ چوبیس

1۔ الیواقیت والجواہر ج2 ص376

ہزار یا کم وبیش تمام رسل کرام اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسالتیں اور نبوتیں اس میں داخل ہیں۔ اس لئے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تمہیں نبوت عطاء کی بلکہ فرمایا "انا اعطیناک الکوثر" امام رازی رحمہ اللہ نے اس مقام کو بڑی بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور تمام انبیاء کرام میں فرداً فرداً جو کمالات و معجزات اور فواضل وفضائل اور اخلاق وشمائل پائے گئے ہیں ان سب کو محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں ثابت کیا ہے:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور حق یہ ہے کہ اوصاف مشترکہ میں شرکت فقط نام کی ہی ہے۔ محض الفاظ دالہ اور اسماء کے اعتبار سے ہے ورنہ محبوب کریم رسول امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہر وصف کمال میں، ہر حسن و خوبی میں ہر نبی و رسول سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اور خصائصِ ذات، اعلیٰ صلاحیتیں اور استعدادات اور مختص اوصاف کمالات میں تو برابری کر ہی کون سکتا ہے [1]

استاذی المکرّم کے ارشاد سے حاصل ہونے والے مسائل

(۱) رسول اللہ ﷺ سب مخلوق کے رسول ہیں۔

(۲) سب مخلوق آپ کو رسول جانتی اور مانتی ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ نبی اعظم اور وزیر اعظم ہیں۔ باقی تمام (انبیاء کرام) آپ کے امتی اور تابع، خلفاء اور نائب ہیں۔ (راقم نے بریکٹ میں انبیاء کرام) بڑھایا ہے جو سیاق سباق سے واضح ہے)

ایک اعتراض مندفع ہو گیا:

جو یہ کہا جاتا ہے کہ صاحب تحقیقات دوسرے انبیاء کرام کو نبی کریم ﷺ کا تابع اور نائب نہیں مانتے۔ اس پر صفحات سیاہ کرنے کا کوئی فائدہ نہ نکلا۔

(۴) نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت اپنے فضائل وکمالات کے لحاظ سے سب انبیاء کرام

1۔ کوثر الخیرات، ص 90

کے معجزات وخواص کی جامع ہے۔

(۵) سب انبیاء کرام کے جو کمالات نبی کریم ﷺ کے کمالات میں مشترک ہیں وہ صرف نام میں مشترک ہیں ورنہ نبی کریم ﷺ کے کمالات دوسرے انبیاء کرام کے کمالات سے افضل ہیں۔

(۶) نبی کریم ﷺ کی ذات اور آپ کے کمالات مختصر سے کسی نبی کی برابری نہیں۔

فائدہ ۵ کو علامہ شعرانی کے قول میں دیکھئے:

انه صلی الله علیه وسلم انما کان له فضل من ابیه آدم علیه الصلوة والسلام لان آدم علیه الصلوة والسلام کان حاملا لألفاظ الاسماء ومحمد صلی الله کان حاملا لمعانیها وهی جوامع الکلم المشار الیها بحدیث "أوتیت جوامع الکلم" فمن حصل علی الذات حصل علی الاسماء وکانت تحت حیطة علمه ومن حصل علی الاسماء لا یکون محصلا للذات الذی هو المسمی

(الیواقیت والجواہر ج2 ص 341)

بیشک نبی کریم ﷺ افضل ہیں اپنے باپ آدم علیہ السلام سے۔ اسلئے کہ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کے الفاظ کا علم تھا اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے معانی کا علم تھا وہ جوامع الکلم ہیں۔ (الفاظ مختصر مطالب کثیر) حدیث پاک میں ان کا ثبوت موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے جوامع الکلم عطاء کئے گئے۔ جسے ذات کا علم ہو۔ اسے اسماء کا علم حاصل ہوتا ہی ہے۔ اس کے احاطۂ علم میں ذوات واسماء دونوں آ گئے۔ اور جسے اسماء کا علم حاصل ہو اس کیلئے ضروری نہیں کہ اسے ذات یعنی مسمّٰی کا علم بھی حاصل ہو۔

مطلب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اشیاء کا بھی علم حاصل تھا اور اشیاء کے ناموں کا بھی علم تھا۔

فائدہ ۳ اور ۴ کیا علامہ شعرانی کے قول کے مطابق نہیں؟

استاذی المکرم کی عبارت کوثر الخیرات سے راقم نے جو نقل کی اس سے مختصر طور پر راقم

نے جو مسائل وفوائد بیان کیے ہیں وہ علامہ شعرانی رحمہ اللہ کے اس مندرجہ ذیل قول کے مطابق ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات کے باب ۳۳۷ میں حدیث اور اس کی تشریح میں بیان فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان موسی حیا وسعه الا ان یتبعنی اعلم انه صلی الله علیه وسلم نبی الانبیاء للعهد الذی اخذ علی الانبیاء بسیادته علیهم و نبوته فی قوله تعالی " واذا اخذ الله میثاق النبین لما آتیتکم من کتاب و حکمة (پ ۳، سورۃ ال عمران آیہ ۸۱) فعمت رسالته و شریعته کل الناس فلم یخص نبی بشیء الا ان کان ذالك الشیء لمحمد صلی الله علیه وسلم بالاصالة۔ فکل نبی تقدم علی زمن ظهوره فهو نائب له صلی الله علیه وسلم فی بعثته بتلك الشریعة ذکره الشیخ تقی الدین السبکی ونقله عنه الجلال السیوطی فی اول الخصائص

(الیواقیت والجواہر ج 2 ص 341)

اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میرے تابعداری کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔ جان لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں اس عہد کی وجہ سے جو انبیاء کرام سے آپ کی سیادت و نبوت کی وجہ سے لیا گیا۔ جو رب تعالیٰ نے " اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں۔ (ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن به ولتنصرنه) پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور بر ضرور اس کی مدد کرنا (کنز الایمان) تو واضح ہوا کہ آپ کی رسالت اور شریعت سب لوگوں کو عام ہے کسی نبی کو کوئی معجزہ اور کمال عطاء کیا گیا ہو تو وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت میں عطاء ہوگا۔ آپ کو وہ کمال اصل ہوگا کیونکہ آپ خود اصل کائنات میں اسلئے ہر نبی جو زمانے کے لحاظ پر آپ سے پہلے ہوں گے وہ بعثت میں آپ کی شریعت کی اصالت کی وجہ سے۔ یہی ارشاد شیخ تقی الدین سبکی نے فرمایا اور اسی کو جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ خصائص الکبری کے شروع میں ذکر فرمایا۔

عیسی علیہ السلام کو نبوت کب حاصل ہوئی؟

اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے: (وجعلنی نبیا، سورہ مریم) اور بنایا اس نے مجھے نبی۔

ای فی الحال وقیل المراد سیجعلنی بعد الأربعین قولان للعلماء والله اعلم بحقیقة الحال

(حاشیہ جلالین للصاوی)

ایک قول اس میں یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابھی نبی بنا دیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے چالیس سال بعد نبی بنائے گا۔ علماء کے اس میں دو قول ہیں اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔

خواہ آپ یہ کہیں " حاشیہ الصاوی علی تفسیر جلالین " مطلب ایک ہی ہے کہ بعض اہل علم نے چالیس سال بعد نبوت کے ملنے کا قول کیا ہے۔ صاوی رحمہ اللہ نے علمی طریقہ سے گفتگو کا طریقہ سکھا دیا کہ علماء کا جب اختلاف ہے تو کسی ایک کے خلاف لٹھ اٹھا کر پیچھے پڑ جانا اصحاب علم و دانش کا کام نہیں بلکہ اس کے حقیقی علم کو رب ذوالجلال پر چھوڑتے ہیں۔

تنبیہ:

قوله (انی عبدالله) ولما اسکتت بامرالله لسانها الناطق انطق الله لسانه الساکت حتی اعترف بالعبودیة وهو ابن اربعین لیلة وابن یوم روی انه اشار بالسبابة وقال بصوت رفیع انی عبد الله وفیه رد لقول النصاری

(مدارک)

جب حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خاموشی اختیار کی تو رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بولنے کی طاقت عطاء فرمائی آپ نے اپنے عبد ہونے کا اعتراف اس وقت کیا جب آپ چالیس دن کے تھے۔ بعض روایات میں ہے آپ نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس میں نصاریٰ کا رد پایا گیا ہے (کہ وہ آپ کو ابن اللہ کہتے ہیں)

حضرت یحییٰ کی نبوت کے متعلق صاحب جمل کا قول:

(وآتیناه الحکم) النبوة ابن ثلاث سنین (جلالین) قوله ابن ثلاث سنین وذلك لان الله تعالی احکم عقله واوحی الیه، فان قلت

اور عطاء کی ہم نے انہیں نبوت بچپن میں جب وہ تین سال کے تھے صاحب جلالین نے جو تین سالوں کا قول کیا ہے اس کا یہ مطلب ہے

کیف یصح حصول العقل والنبوۃ قلت اصل النبوۃ مبنی علی خرق العادات فلا تمنع صیرورۃ الصبی نبیا وقیل المراد بالحکم فہم الکتاب۔

(جمل برحاشیہ جلالین)

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقل کو پختہ کردیا اور ان کی طرف وحی کی اگر اس پر اعتراض نہ کیا جائے کہ تین سال کی عمر میں عقل و نبوت کا حاصل ہونا کیسے صحیح ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ نبوت کی دارومدار خرق عادت پر ہے۔ اس لئے جب نبوت خود معجزہ ہے تو بچے کو نبی بنانے میں کوئی ممانعت نہیں۔ بعض مفسرین نے "حکم" کا معنی فہم کتاب لیا ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا "ہم نے عطاء کی ان کو بچپن میں فہم کتاب"۔

یہاں بھی اہلِ علم کا اختلاف ہے بعض نے بچپن میں فہم کتاب دیئے جانے کا ذکر کیا اور بعض نے نبوت کا بچپن میں دیئے جانے کا ذکر کیا ہے۔

راقم کا موقف اس میں یہ ہے کہ اگر حضرت یحیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نبوت بچپن میں دی گئی تو اس نبوت سے مراد نبوت روحانی ہوگی وہ نبوت ان دونوں حضرات سے سلب نہیں کی گئی۔ اگر نبوت سے مراد نبوت جسمانی ہے تو وہ بچپن میں عطاء نہیں کی گئی۔ اسے ہی یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ بچپن میں ان کی نبوت روحانی بالفعل ہے اور نبوت جسمانی بالقوۃ ہے۔ اور نبوت جسمانی چالیس سال بعد انہیں بالفعل حاصل ہوگئی۔

اعتراض بھی عجیب وغریب کئے گئے:

کہ ایک جگہ صاحب تحقیقات نے نبوت بالفعل کو ثابت کیا ہے تو دوسری جگہ نفی کی ہے۔ سیاق وسباق کو معترض صاحب نے دیکھا ہی نہیں اور بالفعل کی نسبت نفی وثبوت میں سمجھی ہے ہی نہیں۔ آپ نے نبوت روحانی کو بالفعل ثابت کیا ہے اور چالیس سال کی عمر تک جسمانی کی بالفعل نفی کی ہے اور بالقوۃ ثابت کی ہے۔

استاذی المکرم نے ابو العباس تیجانی کی ایک طویل عبارت نقل کی ہے۔ جس کے آخر میں یہ عبارت ہے:

فلهذا هو المانع لهﷺ من النبوة قبل ذلك ولغيره من النبيين عليهم السلام واما سيدنا عيسى عليه الصلوة والسلام كو نه نبيا قبل الاربعين فالجواب لم يكن بشريا محضا انما كان نصفين نصف بشري ونصف روحاني اذ نشا من نفخة الروح الامين فقوى فيه ضعف البشريه وزاد بذلك قوة على النبيين فذلك بعث قبل الاربعين للقوة التي اعطيها من نفخ الروح الامين في امه

(تحقیقات بحوالہ جواہر البحار ج3 ص55-54)

یہی وجہ اور سبب خاص ہے جس کے تحت ہر پیغمبر کو منصب نبوت چالیس سال کے بعد ہی عطاء کیا گیا اور آپ ﷺ کیلئے بھی اور دوسرے انبیاء کیلئے بھی چالیس سال قبل اس عظیم منصب پر فائز ہونے یہی امر مانع ہے علیہم الصلوات والتسلیمات۔ رہا معاملہ حضرت عیسیٰ کے چالیس سال کی عمر سے پہلے نبی بن جانے کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ محض بشر نہ تھے وہ نصف نصف تھے آدھے بشر تھے اور آدھے روحانی تھے کیونکہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ان کے امی جان حضرت مریم میں تین نفخ اور پھونک سے پیدا ہوئے تھے تو ان میں بشریت والا نصف (روح الامین کے نفخ کی آمیزش سے) قوت وتوانائی میں بدل گیا اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر قوت برداشت اور استعداد تحمل میں زائد ہو گئے تو والدہ ماجدہ میں روح الامین کے نفخ کی وجہ سے حاصل ہونے والی ملکی قوت کی وجہ سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ان کو مبعوث فرما دیا گیا۔

(علامہ تیجانی کی مکمل عبارت اور ترجمہ تحقیقات کے ص ۱۰۰ تا ۱۰۳ دیکھئے)

عنوان وسرخی میں صرف ایک لفظ بڑھانے کی ضرورت ہے:

عنوان یوں مکمل ہوگا: ولادت پاک کے فوراً بعد کیوں نہ جسمانی نبوت ورسالت عطاء کی گئی۔ اس کے اوپر جو فائدہ مرتب کیا گیا ہے راقم کو پسند نہیں آیا۔ استاذی المکرم کی خدمت میں مودبانہ گذارش ہے۔

فائدہ یوں مرتب کریں:

عیسیٰ علیہ السلام اگر بشری و روحانی ہیں تو ان کو چالیس سال سے پہلے نبوت عطاء کی گئی تو رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ ان سے بڑھ کر ہے کہ آپ ﷺ کو بشری، روحانی اور حقی حالت حاصل ہے اسی لئے آپ کو عالم ارواح میں نبوت روحانی عطاء کی گئی، وہ نبوت آپ سے سلب نہیں کی گئی بلکہ آپ کو حاصل رہی ہاں! چالیس سال بعد نبوت جسمانی عطاء کر دی گئی۔ اب دونوں نبوتیں جمع ہو کر " وللاخرة خیرلك من الاولی " کے مطابق آپ کی شان کو اور ہی زیادہ کر دیا۔

راقم نے یہ فائدہ مرتب کیا:

استاذی المکرم کی اپنی عبارت اور ایک تقریر سے جو آپ نے ہمیں جلالین پڑھاتے ہوئے فرمائی۔

عبارت ۱:

لی معی اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل یعنی مجھے باری تعالیٰ کے ساتھ وصل کا اور خلوت میں مشاہدہ و دیدار کا ایسا وقت نصیب ہوتا ہے جس میں (بشریت کی مغلوبیت اور روحانیت کی وجہ سے) میرے دیدار کی تاب نہ کوئی مقرب فرشتہ لا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی مرسل تاب دیدار رکھتا ہے۔

اور بعض روایات میں یوں وارد ہے۔ "لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی" اس مخصوص وقت میں جو میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل اور ملاقات کو ہوتا ہے اس میں میرے مشاہدہ اور دیدار کی رب تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی تاب نہیں لا سکتا۔

عبارت ۲

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بیان فرمایا:

کما قال صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینای ولا ینام قلبی یعنی فیما یدل علی ان باطنه ملکی و ظاهرہ بشری اس پر دعویٰ یہ کہ آنحضرت ﷺ کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکی ہے آپ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔

اور قاضی شہاب خفاجی فرماتے ہیں:

وكذلك سائر الانبياء تنام اعينهم دون قلوبهم كما ورد مصرحا به في حديث البخاري وهذا دليل على ان ظاهره صلى الله عليه وسلم بشري و باطنه ملكي ولذا قالوا ان نومه لا ينقض الوضوء كما صرحوا به ولا يقاس عليه غيره من الامة كما توهم و توضيه بعد نومه استحبابا وتعليما لغيره او لعروض ما يقتضيه

(نسیم الریاض ج3 ص545)

یعنی دوسرے انبیاء کا معاملہ بھی اسی طرح ہے ان کا حالتِ نیند میں صرف ظاہر محوِ خواب ہوتا ہے اور باطن و قلب بیدار و یقظان جس سے ظاہر و باطن اور جسم روح، بشریت و نورانیت کی امتیازی اور مشترک حیثیات واضح ہیں۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کا ظاہر بشری ہے (اسی لئے نیند جو عوارض بشری سے اس پر طاری ہوتی ہے اور باطن ملکی ہے اور وہ نیند سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں "یسبحون الليل والنهار وهم لايفترون" شب و روز اور ہر لحہ و ہر لحظہ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں) اس لیے علماء اسلام نے فرمایا ہے کہ آپ کی نیند وضوء کیلئے ناقض نہیں تھی اور اس معاملہ میں امت کے کسی بھی ارفع و اعلیٰ مرتبت شخص کو آپ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نیند سے بیداری کے بعد بعض اوقات آپ وضوء فرماتے تھے تو وہ بطور استحباب و تعلیم امت کیلئے فرماتے تھے یا بیداری میں جس طرح ناقض وضوء طاری ہو جاتے تھے اسی طرح کے عوارض ہونے کی وجہ سے آپ وضوء فرماتے تھے۔

○ قال صلى الله عليه وسلم انى اظل عند ربي يطعمنى ويسقينى

آپ نے فرمایا کہ یقیناً میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں دن کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

اقول: اور دوسری روایت میں "ابيت عند ربي يطعمنى ويسقينى" میں ہر رات رب تعالیٰ کے ہاں گذارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے لہذا اے میرے صحابہ! تم صوم وصال میں میری برابری نہیں کر سکتے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس استدلال کی وجہ بیان کرتے ہوئے (خفاجی رحمہ اللہ) نے فرمایا:

هذه القوة تدل على انه صلى الله عليه وسلم ملكي الباطن — کہ یہ قوت اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کا باطن ملکی ہے۔

اقول:

اسی طرح بظاہر زمین پر ہونا اور شب وروز اللہ تعالی کے ہاں ہونا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ظاہر بشر ہے اور باطن ملکی ہے۔

اقول:

امام سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں امام اصفہانی کے حوالہ سے تنزیل کی دو صورتیں ذکر کی ہیں:

احدها ان النبی صلی الله علیه وسلم انخلع من صورة البشرية الى صورة الملكية وأخذه من جبريل عليه السلام والثانی ان الملك انخلع الى البشرية حتى يأخذه الرسول منه والأول اصعب الحالين — پہلی صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ صورت بشریہ کی خلعت اور لباس سے الگ ہو کر صورت ملکی میں ڈھل جائیں اور نورانیت و ملکیت والے تناسب کی وجہ سے وحی کو جبرائیل امین سے اخذ کریں اور دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کا ملکی حالت سے بشری حالت کی طرف انخلاع اور انتقال پذیر ہونا کہ بشریت میں تناسب کے رسول اکرم ﷺ اس سے وحی اخذ کریں اور پہلی حالت دوسری کی نسبت زیادہ صعوبت والی ہے۔

"اور امام سیوطی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہی یہ کیفیت تنزیل دیگر کتب تفاسیر میں منقول ہے۔" فاضل لاہوری (علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ) نے اپنے مشہور زمانہ حاشیہ بیضاوی میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۳۶

یہ بھی ذہن نشین رہے:

کہ علامہ اصفہانی نے اس کلام کا آغاز "اتفق اهل السنة والجماعة" سے کیا ہے

جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صرف دو تین علماء کا مسلک نہیں بلکہ اہلِ السنۃ اس پر متفق ہیں۔

اب اس متفق علیہ مسلک اور نظریہ سے واضح ہوگیا:

کہ آپ میں نورانیت اور ملکی صفات وصلاحیتیں موجود ہیں۔ بشروں کو فیض دینا ہوتا ہے تو بشری حیثیت سے فیض دیتے ہیں اور جب وحی حاصل کرنی ہوتی ہے اور عالم بالا سے استفادہ مطلوب ہوتا ہے تو نورانی اور ملکی حیثیت سے استفادہ کرتے ہیں[۷۵]۔

راقم نے جو عبارات ابھی تک نقل کی ہیں ان سے نبی کریم ﷺ کا بشری، روحانی، ملکی، نورانی حیثیت میں ہونا استاذی المکرّم کے اپنے الفاظ سے ثابت ہوگیا۔

عبارت ۳:

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اقدس سے پیدا فرمایا ہے اور تم نے آسمانوں کی بلندیوں میں وہاں قدم رکھا ہے جہاں آپ سے پہلے کوئی نہیں پہنچا اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی وہاں تک پہنچ سکے گا[۷۶]۔

استاذی المکرّم نے جلالین پڑھاتے ہوئے جو تقریر فرمائی:

راقم کو تقریباً سو فیصد یاد ہے۔ وہ تقریر اس آیہ پر تھی:

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (سورہ انفال آیہ 17)

اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (کنزالایمان)

"وما رمیت اور اذ رمیت" میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے کہ ایک چیز کی نفی کی گئی اور اسی چیز کا ثبوت کیا گیا۔ لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے وہ خاک عام انسان ہونے صرف محمد بن عبداللہ ہونے کے لحاظ پر نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونے کے لحاظ پر پھینکی۔ دونوں حیثیت کے بدل جانے کی وجہ سے تعارض ختم ہوگیا۔ " ولکن اللہ رمی " اس کی تائید کر رہا ہے کہ ہاتھ تو آپ کا تھا اور طاقت رب تعالیٰ کی۔ آپ کو رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونے کے لحاظ پر طاقت رب تعالیٰ کی عطائی حاصل تھی اسی لئے رب تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا اور

ارشادفرمایا۔"ولکن اللہ رمی" بلکہ اللہ نے پھینکی۔یہ آپ کا حقی حال ہے۔

اس پر ایک اور دلیل یوں بیان فرمائی جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا معراج ہے۔آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جو سیر کرائی گئی وہ بشری حالت کے لحاظ پر،اور بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک آپ کی سیر عروج ملکی حال کے مطابق ہے اور سدرۃ المنتہیٰ سے لامکاں تک آپ کا عروج حقی لحاظ پر ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونے کے لحاظ پر ہے۔

نتیجہ واضح ہے:

کہ استاذی المکرم کی تقریر وتحریر کو دیکھ کر راقم نے جو قائدہ مرتب کیا ہے وہ شکوک و شبہات پیدا کرنے سے مبرہ ہے۔جبکہ استاذی المکرم کا ترتیب دیا ہوا قائدہ شکوک وشبہات پیدا کررہا ہے۔اس لئے اس کے تبدیل کرنے میں راقم کو فائدہ نظر آرہا ہے۔

استاذِی المکرم ارشاد فرماتے ہیں:

بندہ کی اس موضوع پر مدتوں سے مطبوع کتاب پڑھے لکھے حضرات کے مطالعہ میں ہے اور اس موضوع پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور اشکالات کے مکمل جوابات اس میں موجود ہیں یعنی "تنویر الابصار بنور النبی المختار"

استاذی المکرم کے ارشاد سے واضح ہوا:

کہ آپ کی کتاب "تحقیقات" آپ کی دوسری کتب تنویر الابصار اور کوثر الخیرات کیلئے ناسخ نہیں تھیں بلکہ آپ کے نزدیک آپ کی دوسری کتب جوں کی توں معتبر ہیں جیسے تحقیقات سے پہلے تھیں۔اسلئے علمی شخصیات مہذب تحریر والے حضرات کا یہ لکھنا کہ انھوں نے تنویر الابصار اور کوثر الخیرات میں یہ لکھا اور تحقیقات میں یہ لکھا۔میری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ آپ کے عقائد ونظریات آپ کی کتب میں مختلف نہیں صرف سمجھنے کی ضرورت ہے۔کہ آپ کا نبوت میں عقیدہ کیا ہے؟راقم مقدمہ میں اس کی وضاحت کر چکا ہے اور اپنے اسی رسالہ میں بفضلہٖ تعالیٰ زیادہ ذکر کردیا گیا۔

مقدمہ میں یہ بھی ذکر کردیا گیا کہ استاذی المکرم کی بعض عبارات،سرخیاں،عنوانات

مبہم ہیں ان کی وضاحت کی ضرورت ہے صرف ابہام ہی قابلِ اشتباہ ہے۔ عقیدہ پر اعتراض ناقابل فہم ہے۔

علامہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی عبارت کی وضاحت بھی ضروری ہے:

استاذی المکرّم کے وضاحتی خط (جسے مقدمہ میں شامل کرلیا گیا ہے) میں جو بیان کیا اس کا ذکر حدیث پاک کی شرح میں جو قول علامہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی عبارت کے بعد وضاحت کے طور پر ذکر کیا جانا چاہیے۔

عن ابن عباس قال بعث رسول اللہ ﷺ لاربعین سنة فمکث بمکة ثلاث عشرة سنة یوحی الیہ ثم امر بالھجرة فھاجر عشر سنین ومات وھو ابن ثلاث وستین سنة متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی رسول گرامی ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے پس تیرہ سال مکہ شریف میں قیام پذیر رہے پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو دس سال کی حالت میں (مدینہ طیبہ میں) گزارے پھر آپ کا وصال ہوگیا جبکہ آپ کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

علامہ قاری مرقات میں "بعث" کے تحت فرماتے ہیں: (ای جعل مبعوثا الی الخلق بالرسالة) اور "لاربعین" کے تحت فرمایا:

ای وقت اتمام ھذہ المدة قال الطیبی اللام فیہ بمعنی الوقت

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا "لاربعین" پر جو لام داخل ہے وہ وقت کیلئے ہے۔

یعنی اس مدت کے وقت کے مکمل ہونے پر۔ (راقم)

یعنی آپ کی عمر شریف کے چالیس سال ہونے پر مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

نتیجتاً فرماتے ہیں:

والاظھر انہ کان قبل الاربعین ولیا ثم بعدھا صار نبیا ثم صار رسولا

اور زیادہ ظاہر اور جزمی امر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چالیس سال پورے ہونے سے قبل صرف ولی تھے اور اس مدت کے پورے ہونے

پر نبی بن گئے بعد ازاں منصب رسالت پر فائز ہوئے۔

وضاحت یوں ہونی چاہیے:

چالیس سال کے مکمل ہونے کے بعد آپ کو جو نبوت ہوئی اس سے مراد وہ نبوت ہے جس کا تعلق اجسام سے ہے، جسے نبوتِ جسمانی کہا جاتا ہے۔

چالیس سال تک آپ کی ولایت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ بیان فرمائی اس سے مراد عند الناس ولایت ہے نہ کہ عند اللہ۔ اسلئے کہ عند اللہ تو آپ نبی ہی تھے۔ لوگ آپ کو صادق وامین وغیرہ کے القاب دیتے تھے لیکن نبی نہیں کہتے تھے۔ جہاں تک "والاظہر" کا معنی اورزیادہ ظاہر اور جزمی امر کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح کے مطابق ہے کیونکہ جزم کی تعریف ہی یہ ہے کہ جس میں مرجوح جانب کا خیال نہ آئے صرف راجح جانب ہی اس میں پائی جائے۔ جزم کی چار قسمیں ہیں۔ جہل مرکب، تقلید مصیب، تقلید مخطی، یقین۔

بعض احباب نے "جزمی امر" میں لفظ "امر" کا اصطلاحی معنی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اکثر وبیشتر، امر کا معنی کام۔ معاملہ، بات وغیرہ آتے رہتے ہیں۔ اردو لغت جامع کو دیکھیں تو "جزم" کے معانی مضبوط، پکا، اٹل نظر آئے گا۔ "والاظہر" کا مطلب زیادہ ظاہر اور مضبوط بات / پکی بات بیان کرنا کوئی غلطی نہیں۔

بنیادی غلطی عربی اور اردو میں فرق نہ کرنا اسی وجہ سے۔ ومکروا مکرا اللہ واللہ خیر الماکرین۔ اسی طرح" وانتم اذلۃ" میں اردو تراجم میں رب تعالی کی طرف فکر کی نسبت کرنا۔ یا صحابہ کرام کے متعلق ذلیل ہونے والا ترجمہ درست نہیں۔ وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ عربی اردو کو ایک سمجھ لیا گیا ہے۔ کیا جزم کا معنی کاٹنا نہیں آتا؟ کیا جزم الرجل کا معنی" آدمی کا دن رات میں ایک ہی مرتبہ کھانا" نہیں؟ کیا" جزم علی الامر" کا معنی کسی کام پختہ ارادہ کرنا نہیں؟ صرف "ھذا حکم جزم" یہ حکم لازمی اور قطعی ہے۔ کو دیکھنا، باقی معانی کی طرف توجہ نہ کرنا۔ نسبت کے بدلنے سے معانی میں فرق نہ کرنا اور عربی و اردو کا استعمال ایک سمجھ کر کسی صاحب علم پر

طرز ہمیں تو زیب نہیں دیتا۔

راقم کا مقصد تحریر:

مسائل سمجھانا ہے، فتنہ قائم کرنا، اہلِ سنت کو جارحانہ بیانات وتحریرات سے منقسم کرنا اور لڑائی نہیں۔ یہ تحریر بھی اسی لئے کر رہا ہوں کہ استاذی المکرم کے عقائد کو توڑ موڑ کر پیش کیا جارہا تھا کہ لوگوں کو کچھ بات تو سمجھ آئے۔ سوقیانہ زبان، جاہلانہ انداز پسند نہیں راقم نے اپنی تحریروں میں مہذب طریقہ اور شائستگی کو ہی پسند کیا ہے۔ جن تحریروں کو دیکھ کر دل جلتا ہے ان کا جواب بھی دینا پسند نہیں آتا۔

راقم نے قریب ہی استاذی المکرم کی جو تقریر بیان کی اسے علامہ شعرانی کے بیان میں دیکھئے:

ان اللہ تعالیٰ قال فاقتلوا المشرکین فاظھروا امر او آمر او مامورا فی ھذا الخطاب فلما وقع الامتثال وظھر القتل بالفعل من اعیان المحدثات قال ما انتم الذین قتلتموھم بل انا قتلتھم فیھا انھا القاتلة بل الضارب ھو القاتل فکذلك بالضارب بالنسبة الیھا لیس ھو القاتل بل ھو مثل السیف بالنسبة الیہ ھو فافھم۔

مختصر مطلب: بیشک اللہ تعالیٰ نے جب حکم دیا" فاقتلو المشرکین "(مشرکوں کو قتل کردو) تو رب تعالیٰ کے ارشاد سے واضح ہوگیا کہ "امر اور آمر، اور مامور کیا ہیں۔ مومنین نے رب تعالیٰ کے حکم سے جب مشرکین کو قتل کیا تو رب تعالیٰ نے فرمایا" فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم " حقیقت میں تم نے مشرکین کو قتل نہیں کیا تم تو صرف ظاہر ذریعہ ہو حقیقت میں وہ قتل

تو میری طاقت میرے امر سے ہی ہوئے ہیں یہ تو ایسے ہی جیسے تم تلوار یا کسی آلہ سے قتل کرو تو قاتل تمہیں سمجھا جاتا ہے نہ کہ تلوار یا آلہ کو۔ آیہ چونکہ ایک ہی ہے "فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی " اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ نے اس آیہ کے متعلق کلام کو شروع ان الفاظ سے کیا" اعلم ان فی ھذہ الایة اثبات القتل والرمی "

نبی کریم ﷺ کے کفار کی طرف خاک پھینکنے کے ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپ تو صرف ظاہر طور پر ان کی طرف خاک پھینک رہے تھے لیکن آپ کا ہاتھ تصرف کے لحاظ سے تو میرا ہی ہاتھ تھا۔ (رب تعالیٰ کی طرف "ید" کی نسبت میں "ید" کا معنی جو اس کی شان کے لائق ہے)

امام رازی رحمہ اللہ کی عبارت میں بھی نبوت جسمانی کے الفاظ زیادہ کیے جائیں:

تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

قال المفسرون لم يبعث نبي قط الا بعد اربعين سنة اقول هذا مشكل بعيسى عليه السلام فان الله جعله نبيا من اول عمره الا انه يجب ان يقال الأغلب انه ماجاء الوحي الا بعد الاربعين وهكذا كان الامر في حق رسول الله ﷺ۔

(تفسیر کبیر ج 28 ص 19-18)

تمام مفسرین اس امر کے قائل ہیں کہ کوئی نبی چالیس سال کی عمر سے پہلے مبعوث نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد مبعوث ہوا میں کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے یہ قول کرنا مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اول عمر سے ہی نبی بنا دیا تھا مگر (جواب اس اشکال کا یہ ہے) کہ یہ ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کہ اغلب اور اکثر صورت حال یہی ہے کہ ہر نبی کی ذات پر وحی چالیس سال کے بعد نازل ہوئی اور ہمارے رسول گرامی ﷺ کے بارے میں بھی معاملہ اس طرح ہے (کہ آپ پر وحی چالیس سال کے بعد نازل ہوئی)

اس پر جو تبصرہ کیا گیا ہے اس کے بجائے اتنا ہی تحریر کر دیا جائے کہ علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی مفسرین سے اتفاق کیا ہے کہ سب انبیاء کرام کی بعثت چالیس سال بعد ہوئی یعنی نبوت جسمانی چالیس سال بعد عطاء ہوئی کیونکہ سلسلہ وحی اور سلسلہ تبلیغ چالیس سال بعد شروع ہوا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس اشکال و جواب کو علامہ رازی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا، اس سے مسئلہ کافی حد تک واضح ہو گیا کہ بظاہر جواب یہ ہے کہ اغلب (اکثر) صورت یہی ہے کہ تمام انبیاء کرام پر وحی کے سلسلہ چالیس سال بعد شروع ہوا۔

اس سے واضح ہوا کہ نبوت روحانی یا نبوت بالقوۃ تو بچپن میں ہی عطاء کر دی گئی لیکن

جسمانی نبوت یا نبوت بالفعل چالیس سال بعد عطاء ہوئی جبکہ سلسلہ وحی شروع ہوا۔

عقدہ حل ہوگیا:

استاذی المکرم نے جو یہ فرمایا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی چالیس سال بعد نبی بنایا گیا جیسا کہ جلالین وغیرہ میں ہے۔ جلالین کے حاشیہ صاوی میں چالیس سال کا قول مل گیا اور مفسرین کا اتفاق صحیح ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ بات صرف مکمل بیان کرنے کی ہے ادھورا بیان نقصان دہ ہے۔

جب یہ کہا جائے کہ آپ کو نبی تو بچپن میں ہی نبوت بالقوۃ روحانی سے فیض یاب کرنے سے ہی بنا دیا گیا لیکن نبوت جسمانی اور نبوت بالفعل سے چالیس سال بعد سلسلہ وحی کے شروع کرنے سے بنایا گیا۔

اگر یہ وضاحت ذکر ہو جائے تو غالب امید یہی ہے کہ سوائے ضد کے کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہوگی۔

استاذی المکرم کی ھدایہ پڑھاتے ہوئے ایک تقریر بیان کر رہا ہوں۔

اب جس تقریر کو بیان کر رہا ہوں اس کے متعلق میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ مجھے سو فیصد یاد ہے لیکن بہت وثوق سے بیان کر رہا ہوں۔ ھدایہ باب صلوۃ الجمعہ میں

○ عن عثمان انه قال الحمد لله فارتج علیه فنزل وصلی — حضرت عثمان خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو آپ پر بندش کی کیفیت طاری ہوگئی "الحمد اللہ" پڑھنے کے بعد آپ منبر سے اتر آئے۔

اس پر استاذی المکرم نے فرمایا:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خلافت کا بار گراں آجانا اور نبی کریم ﷺ کا یاد آنے پریشانی کا سبب بنا یہی وجہ خطبہ کو جاری نہ رکھ سکنے کی جیسا کہ نبی کریم ﷺ پر جب وحی شروع شروع میں نازل ہوئی تو آپ پر ایک عجیب

کیفیت طاری ہوگئی کہ کفار کو تبلیغ کرنے کا بار گراں آجانے کی وجہ سے کپکپی بھی طاری تھی۔لوگوں نے فرشتے سے ڈرنے کا قول کیا لیکن وہ حقیقی وجہ کو نہ سمجھ سکے۔"

تحقیقات میں جہاں آپ نے ابتداءِ وحی کی بحث کی ہے اس میں اگر کوئی شک وشبہ کی گنجائش سمجھ آئے بلکہ کسی عبارت پر اعتراض کیا جارہا ہے تو اسی قسم کی تقریر سے وضاحت کی جائے۔وہ نبی بن ہی نہیں سکتا جسے اپنی نبوت کے بارے میں علم نہ ہو۔یہی راقم کا عقیدہ ہے۔

علامہ تیجانی سے مرتب فائدہ کے خلاف راقم نے اپنی رائے پیش کردی:

جو گذشتہ اوراق میں آچکی ہے۔راقم نے اس فائدہ کے خلاف فائدہ مرتب کرکے اسے فائدہ مند بنادیا۔امید ہے کہ اسے شرف قبولیت بخشا جائے گا۔

استاذی المکرم نے یہ فائدہ مرتب کیا:

فائدہ: جو حضرات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چالیس سال سے قبل حاصل ہونے والی نبوت سے بطور دلالۃ النص اور اولویت کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی آغاز ولادت سے نبوت ثابت کرتے ہیں انھیں عارف تیجانی کے اس ارشاد پر بھی ذرا غور وحوض کرنا چاہیے کہ وہاں باپ کے مادہ کی آمیزش نہیں بلکہ نفخ جبریل کی آمیزش ہے اور وہ آدھے بشر اور آدھے ملک ہیں لہٰذا ان پر دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کا قیاس، قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن سے ہی نبی تسلیم کریں کیونکہ وہ بھی بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور اگر وہاں قیاس نہیں ہوسکتا تو پھر یہاں بھی اس کو جاری نہیں کیا جاسکتا اور یہی ہمارے اسلاف اور سابقین اولین علمی اور روحانی کمالات کے مجمع البحرین حضرات کا نظریہ اور عقیدہ ہے۔ہم تو انھیں کے خوشہ چین ہیں اور ان کے متبع اور مقتدی نہ کہ اپنی طرف سے عقائد ونظریات کا اختراع کرنے والے ہیں 1

1۔ تحقیقات ص100

راقم نے بحیثیت محقق نہیں بلکہ بحیثیت نالائق تلمیذ کے مشورہ دے دیا:

کہ اس فائدہ کو بدل دیا جائے۔ کیونکہ اس وقت میں یہ سطور بطور شارح قلمبند کر رہا ہوں۔ شارحین کبھی مصنفین کو مشورہ دے دیتے ہیں۔

اگرچہ استاذی المکرم نے علامہ تیجانی کا اسم گرامی ان الفاظ سے ذکر فرمایا: " امام کبیر اور عارف شہیر اور قطب وقت ابو العباس تیجانی" پھر آپ نے علامہ تیجانی کو علمی اور روحانی کمالات کا جامع بھی کہا اور علامہ نبہانی جیسی عظیم شخصیت نے بھی ان کا طویل قول نقل کیا۔ اور استاذی المکرم نے اپنے آپ کو ان کا مقتدی و متبع بھی کہا لیکن راقم نے استاذی المکرم کی تقریر و تحریر سے ثابت کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر ملکی اور بشری ہیں تو نبی کریم ﷺ بشری، ملکی، حقی ہیں۔

علامہ تیجانی کا قول وحی خدا نہیں کہ اس پر وہ فائدہ مرتب نہ کیا جاسکے جو راقم نے گزشتہ اوراق میں نقل کیا ہے۔ اس عبارت پر یہ عنوان قائم کرنا " بعض محققین کی ایک غلط فہمی کا ازالہ " پھر اس کے تحت " بعض بزعم خویش محققین " کے الفاظ جب آپ کی جانب سے استعمال ہوں گے پھر اسی عنوان کے تحت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کا تقابل۔

پھر یہ عبارت:

نبی کریم ﷺ کا لباس بشری ماں باپ دونوں کے مادہ تولید کی آمیزش سے تیار ہوا لہٰذا وہ نسبتاً کثیف تھا اس لئے س کی کثافت کو بار بار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعے جب لطیف کر دیا گیا اور حقیقت نوریہ کا ہم رنگ تب آپ کو یہ منصب سونپا گیا۔ (تحقیقات ص ۱۰۴)

صاحب، سب و شتم کو موقع مل گیا:

آپ کے مرتب کردہ فائدہ اور عنوان اور مندرجہ بالا عبارت کو دیکھ کر ایک صاحب سوقیانہ کلام یوں پیش کرتے ہیں:

> " صاحب تحقیقات نے بڑی ڈھٹائی سے تحقیقات کے ص ۱۰۴ پر (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کی

طرف لفظ کثیف منسوب کیا ہے۔"

کچھ آگے غلاظتِ شدیدہ کو یوں بکھیرتے ہیں:

صاحب تحقیقات سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ جب محبوب کائنات کی بشریت انبیاء علیہم السلام کی ارواح سے بھی لطیف تر ہے تو پھر لفظ کثیف آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا سراسر تحکم و دھاندلی، کذب و تضاد بیانی اور توہین تحقیر شیطانی نہیں تو اور کیا ہے؟

کاش! صاحب ستم بیضاوی پر حاشیہ دیکھ لیتے:

آیئے! پہلے بیضاوی کی عبارت دیکھئے پھر حاشیہ دیکھئے "انی جاعل فی الارض خلیفة" (پ ۱) کے تحت بیضاوی فرماتے ہیں:

" والخليفه من يخلف غيره وينوب منابه والهاء فيه للمبالغة والمراد به آدم عليه السلام لانه كان خليفة الله تعالى فى أرضه وكذلك كل نبى استخلفهم فى عمارة الأرض وسياسة الناس وتكميل نفوسهم وتنفيذ امره فيهم لا لحاجة به تعالى الى من ينوبه بل لقصور المستخلف عليه عن قبول فيضه وتلقى امره بغير وسط ولذلك لم يستنبئ ملكا كما قال الله تعالى " ولو جعلناه ملكا لجعلناه رجلا" الا ترى ان الانبياء لما فاقت قوتهم واشتعلت قريحتهم يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسسه نار ارسل

خلیفہ اسے کہا جاتا ہے جو دوسرے کے پیچھے آئے اور اس کا نائب ہو، اور ھاء اس میں مبالغہ کیلئے ہے اور مراد اس سے آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ اللہ کی زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنائے گئے۔ اسی طرح ہر نبی کو زمین کے آباد کرنے اور لوگوں کی سیاست اور ان کے نفوس کی تکمیل اور اپنے حکم کو نافذ کرنے کیلئے خلیفہ بنایا گیا۔ رب تعالیٰ کو نائب بنانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنایا گیا محتاج ان کو تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فیضان قبول کرنے اور اس کے حکم کو حاصل کرنے میں بغیر واسطہ کے قاصر تھے۔ اسی وجہ سے کسی فرشتہ کو نبی

الیھم الملائکۃ۔ (تفسیر بیضاوی، ص 59)

نہیں بنایا گیا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا "اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے۔

یعنی اگر فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو انسانی شکل میں بھیجتے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ بیشک انبیاء کی جب قوت میں فوقیت آگئی اور ان کی طبیعت وملکہ کی روشنی بڑھ گئی (شعلہ زن ہوگئی) اس حیثیت پر کہ قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ تو ان کی طرف فرشتے کو بھیجا۔

لما فاقت کا جواب "ارسل الیھم الملائکۃ" کو اہلِ علم دیکھیں تو ان پر مخفی نہیں رہے گا۔ ادھر مقام فوقیت حاصل اور نورانیت شعلہ زن ہوئی تو اسی وقت فرشتہ وحی لے آگیا۔

حواشی دیکھئے!

قولہ لاحاجۃ بہ تعالی الخ دفع لتوھم ان الخلافۃ عن الغیر انما یکون لغیبتہ او عجزہ او موتہ و کل ذلك محال علی اللہ تعالی

رب تعالیٰ کو خلیفہ بنانے کی حاجت نہیں تھی، یہ ایک وہم کو زائل کرنے کیلئے ذکر کیا کہ کسی کو خلیفہ بنانے کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب کہ اصل غائب ہو یا عاجز ہو یا فوت ہو جائے یہ سب اللہ تعالیٰ پر محال ہیں۔

تو اس کا جواب دے دیا کہ اللہ تعالیٰ کو خلیفہ بنانے کی محتاجی نہیں تھی بلکہ جن کی طرف خلیفہ بنا کر بھیجا ان کو محتاجی تھی۔

قولہ بل لقصور المستخلف علیہ لما انہ فی غایہ الکدورۃ والظلمۃ الجسمانیۃ وذاتہ تعالی فی غایۃ التقدس والمناسبۃ شرط فی قبول الفیض علی ما جرت العادۃ الالھیہ فلا بد من متوسط ذا جھتی التجرد و التعلق لیستفیض من جھۃ ویفیض بأخری

جس کی طرف خلیفہ بنا کر بھیجا گیا وہ محتاج کیوں ہے۔ اس کی وجہ کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بہت زیادہ کدورت وظلمت میں تھا اور رب تعالیٰ کی ذات میں بہت زیادہ تقدس تھا۔ فیض دینے والے اور فیض لینے والے میں مناسبت شرط ہے، عادتِ الٰہیہ اسی پر جاری ہے۔ تو ضروری ہو گیا کہ ایک واسطہ درمیان میں پایا جائے جس کو دونوں جہتیں، دونوں حیثیتیں حاصل ہوں۔ یعنی تجرد اور تعلق دونوں حاصل ہوں تا کہ وہ مجرد کی جہت سے فیض لے اور تعلق کی جہت

سے فیض پہنچائے۔

حاشیہ کی وضاحت: اس کا کون انکار کرے گا کہ محشی نے جو حاشیہ عبدالحکیم نقل کیا ہے اس میں انسانوں کو کدورت اور ظلمت والا قرار دیا اور رب تعالی کو تقدس سے تعبیر کیا۔ اسی کو راقم نے یوں بیان کیا کہ انسان کثیف محض تھا اور رب تعالی لطیف محض تھا، اس لئے کثیفِ محض لطیفِ محض سے فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا تو درمیان میں انبیاء کرام کا واسطہ رکھا جو بحیثیت نورانیت کے رب تعالی سے فیض حاصل کرتے ہیں اور بحیثیت بشریت کے انسانوں کو فیض پہنچاتے ہیں۔ بظاہر سیاق وسباق سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مولنا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ نے رب تعالی کی طرف تقدس استعمال کیا اور بندوں کی طرف کدورت وظلمت کا استعمال کیا۔ انبیاء کرام کو یہ دونوں قوتیں کچھ نہ کچھ حاصل ہیں۔ نہ عینِ تقدس نہ عینِ کدورت وظلمت دونوں قوتیں من وجہ حاصل ہیں لیکن محشی رحمہ اللہ نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے انبیاء کرام کیلئے دو جہتیں بیان فرمائیں: ایک تجرد یعنی بندوں سے علیحدگی۔ رب تعالی کی قربت اسے ہی راقم نے نورانیت یا لطافت سے تعبیر کیا اور دوسری جہت تعلق یعنی بندوں سے ملنا۔ یہ بشری حال ہے۔ بشریت میں من وجہ ظلمت وکدورت پائی جاتی ہے لیکن ادب واحترام سے محشی رحمہ اللہ نے ظلمت و کدورت کے الفاظ کو استعمال کرنے سے گریز کیا لیکن بشر کیلئے ان کو ثابت بھی کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا بشر کی طرف کدورت وظلمت کی نسبت حرام ہے یا ترک افضل ہے؟ کیا ترکِ افضل پر غلیظ گالیوں کا استعمال بھی اہلِ علم کی شان کے لائق ہے؟ صرف غلیظ گالیوں کا استعمال ہی نہیں کیا گیا بلکہ یوں بھی لکھا گیا ہے:

> "لفظ کثافت کی نسبت حضور سید الالطافین منبع لطافت کی طرف کرنے کو تصور تخیل میں بھی کوئی رمق ایمان والا ہو سکتا ہے۔"

"کدورت" کے لغوی معانی"

کدر کدورۃ کدرا" (ک، س، ن) گدلا ہونا میلا ہونا۔ کدر علی فلان۔ وہ فلان پر ناراض ہوا۔ کدر العیش، زندگی تلخ ہوئی (المنجد)

کثافت کے لغوی معانی:

کثف (ک) کثافۃ، موٹا ہونا، بہت ہونا، گنجان ہونا، (صفت کثیف)، الکثیف، کثافت والا، گاڑھا، کہا جاتا ہے۔"رجل کثیف" سخت اور بدحالی کی زندگی بسر کرنے والا مرد۔ اگرچہ کثافت کے معنی میں وہ سختی نہیں جو کدورت وظلمت میں ہے۔ جب کدورت وظلمت کی نسبت اگرچہ صریح نہیں لیکن ضمناً انبیاء کی طرف بیضاوی کے حاشیہ میں ہے تو کیا وہ غلیظ زبان یہاں بھی استعمال ہوگی جو استاذی المکرم کیلئے استعمال ہوئی ہے؟

مشورہ استاذی المکرم کی خدمت میں یہی ہے:

کہ اس قسم کی عبارات جن میں کسی قسم کا بھی اشتباہ پایا گیا ہے، ان کی کانٹ چھانٹ کی جائے تاکہ کسی کو غلیظ زبان استعمال کرنے کا موقع نہ ملے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب انبیاء کرام کے متعلق یہ کہا جائے کہ من وجہ انہیں نورانیت حاصل ہے اور من وجہ انہیں بشریت حاصل ہے تو ان الفاظ سے ہی من وجہ لطافت اور من وجہ کثافت کا قول تو کرلیا گیا لیکن پھر بھی ثقیل الفاظ کا استعمال کرنے سے اجتناب ہی ضروری ہے۔ راقم نے کبھی اردو کی طرف توجہ نہیں دی کہ یہ جملہ اردو گرائمر کی رو سے صحیح ہے یا غلط ہے بلکہ سادے لفظوں میں اپنا موقف ادا کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔

استاذی المکرم کی کتاب سے ایک اقتباس:

جس پر اعتراض کیا جارہا ہے۔ معمولی الفاظ کے ردوبدل سے تنازع ختم ہوسکتا ہے:

"الغرض جب نبی اور رسول کے واسطہ اور وسیلہ بنانے کی ضرورت یہ ہے کہ عام بشر اللہ تعالی اور ملائکہ سے براہ راست رشد وہدایت حاصل نہیں کرسکتے اور امر ونواہی اور احکامات وصول نہیں کرسکتے تو ایسی ہستیاں درمیان میں واسطہ اور وسیلہ بنادی جائیں جو ملائکہ سے اور اللہ تعالی سے یہ فیوض وفوائد اور احکام وصول کرکے لوگوں کو پہنچاتے جائیں تو جس ہستی پر وحی اور ملائکہ کا نزول ہی نہ ہوا ہو اور بندوں کیلئے واجب اور لازم عقائد اور اعمال کی تفصیلات سے خود ان کو بھی آگاہ نہ کیا گیا ہو تو بندے ان سے استفادہ اور

استفاضہ کیسے کریں اور وہ ان کی رشد وہدایت کا سامان کیا کریں گے بلکہ وہ اپنے نبی ورسول ہونے پر کسی کو مطلع ہی نہ کریں اور اس منصب کا اظہار ہی نہ کریں تو ان سے استفادہ واستفاضہ کا کیا امکان اور ان کو نبی بنانے کا کیا فائدہ۔" (تحقیقات ص ۵۰)

آخری چند سطور کو یوں تحریر کر دیا جائے تو بہتر ہے:

تو جس ہستی پر وحی اور ملائکہ کا نزول ہی نہ ہوا ہو اور بندوں کیلئے واجب اور لازم عقائد اور اعمال کی تفصیلات سے ان کو آگاہ کرنے کا رب تعالیٰ نے حکم ہی نہ دیا ہو تو بندے ان سے تا حکمِ الٰہی استفادہ اور استفاضہ نہیں کر سکتے اور نہ وہ ان کو رشد وہدایت کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے اس منصب کا اظہار کر سکتے ہیں۔ جب آپ اپنی نبوت کا اظہار ہی نہیں کریں گے تو ان سے استفاضہ واستفادہ نہیں کیا جا سکے گا۔ وحی کے آنے تک نبوتِ جسمانی کا تعلق نبوتِ روحانی سے نہیں ہو سکے گا۔

آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ نبی تو آپ پہلے سے ہی چلے آرہے ہیں لیکن اعلان نبوت آپ نے بعد میں کیا۔ اعلانِ نبوت تک نبوتِ روحانی آپ کو حاصل رہی۔ اعلانِ نبوت کے بعد نبوتِ جسمانی بھی حاصل ہوگئی "وللاخرۃ خیر لک من الاولی" کے مطابق نور علی نور کی کیفیت حاصل ہوگئی۔

اس سے آگے استاذی المکرم کا ارشاد یہ ہے:

اس لئے محقق علمائے کرام نے نبی ورسول پر اپنی نبوت ورسالت کے اظہار واعلان کو اور ضروری ٹھہرایا اور ایسے منصب کے مالک کا اس کے متعلق نہ دعوی کرنا اور نہ گفتگو کرنا اور کلام خلاف عقل ودانش قرار دیا ہے کیونکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کا اس ہستی کا نبوت ورسالت عطاء کرنا سراسر عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ عبث اور بے فائدہ کام کرنے سے مبرا اور منزہ ہے لہٰذا چالیس سال تک اور عمر شریف کی تقریباً دو تہائی تک نبوت کے حصول کے باوجود آپ کو مہر بلب تسلیم کرنا آپ کے حق میں فرض کے تارک ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں

بے فائدہ اور عبث امر کے ارتکاب کا عقیدہ رکھنے کی مترادف ہے جو کہ اہلِ ایمان بلکہ ارباب عقل ودانش کی شان سے بعید ہے۔ (تحقیقات ص ۵۰۔۵۱)

اس عبارت کو بھی کافی نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اگر اس عبارت میں ترمیم یا وضاحت کردی جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ وضاحت کی صورت میں تو صرف ایک دو لفظوں کی زیادتی کی ضرورت ہے "نبی ورسول پر اپنی نبوت ورسالت جسمانی (جس کا تعلق اجسام کی تبلیغ سے ہے) کے اظہار واعلان کو لازم اور ضروری ٹھہرایا۔

بہتر اور شائستہ عبارت یوں ہونی چاہیے:

اس لئے علمائے کرام نے نبی ورسول پر اس وقت اپنی نبوت ورسالت کے اظہار و اعلان کو لازم اور ضروری ٹھہرایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کی اجازت دے دی اور جب کہ عالمِ اجسام کی تبلیغ کی اجازت فرمادی گئی تو اس کے بعد آپ کا اپنی نبوت کا لوگوں کے سامنے دعوی نہ کرنا اور نہ ہی اپنی نبوت کے متعلق گفتگو وکلام کرنا عقل ودانش کے خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں باری تعالیٰ کا اس ہستی کو نبوت ورسالت عطاء کرنا سراسر عبث اور بے فائدہ ہو کر رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ عبث اور بے فائدہ کام کرنے سے مبرا اور منزہ ہے لہٰذا چالیس سال تک اور عمر شریف کے تقریباً دو تہائی تک عالم اجسام میں آپ کو اعلان نبوت کی اجازت نہ دینے کے باوجود آپ کی نبوت جسمانی کو تسلیم کرنا پھر آپ کو مہر بلب تسلیم کرنا آپ کے حق میں فرض کے تارک ہونے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بے فائدہ اور عبث امر کے ارتکاب کا عقیدہ رکھنے کے مترادف ہے جو کہ اعلان اہلِ ایمان بلکہ بابِ عقل ودانش کی شان سے بعید ہے۔

ہاں! یہ بھی خیال رہے:

بات نبوتِ جسمانی کے متعلق ہو رہی ہے جس کے اعلان کی اجازت رب تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال بعد عطاء کی۔ نفسِ نبوت جو آپ کو عالمِ ارواح میں حاصل ہوئی وہ جوں کی توں رہی۔ اس میں میری کوئی بات نہیں۔ اور نہ ہی اس نبوت کا میں انکار کرتا ہوں۔ یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے جنہوں نے مجھے نبی کریم ﷺ کی مطلقاً نبوت کا چالیس تک منکر قرار دے کر یہاں تک

کہہ دیا کہ مولوی اشرف تو قادنیوں سے بھی آگے نکل گیا جس نے سرے سے نبوت کا بھی انکار کردیا ہے یہ بہتان عظیم ہے۔

راقم استاذی المکرّم کے عقیدے سے بہت اچھی طرح واقف ہونے پر آپ کے دل کا ترجمان بن کر بات کر رہا ہے۔ ظاہر الفاظ کو تبدیل کا مشورہ بھی باتدبیر مشیر کا ہے۔

استاذی المکرّم نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

"کیا ارواح کاملین کا بشری لباس میں منتقل ہونا ان میں کوئی تغیر وتبدل پیدا کرتا ہے یا نہیں؟"

اس عنوان کے تحت آپ نے دو قسمیں بیان فرمائی ہیں کہ روح مجرد اور روح جب بدن سریانی میں حلول کرے اس میں فرق کیا ہے؟ دوسری قسم پر آپ نے یوں بحث کی:

"(روح کے) ناسوتی بدن میں آنے کے بعد جبرائیل امین علیہ السلام آپ کے اور اللہ تعالی کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بن گئے۔ وحی لانا اور اللہ تعالی کے احکام اور اوامر ونواہی آپ تک پہنچانا ان کے سپرد ہوگیا۔ وہ قراءت کرتے تو آپ ﷺ ان کی قراءت سن کر قراءت کرتے ہیں۔ وہی وضو کا طریقہ، نماز پڑھنے کا طریقہ اور باجماعت ادائیگی کی کیفیت آپ کو سکھلاتے ہیں۔

آپ کی اس عبارت پر اعتراض کئے گئے اور آپ کو گستاخ رسول کے زمرہ میں لایا گیا۔ اللھم انا نعوذ بك من الجاھلین۔

عادت الٰہیہ یہی ہے کہ جب اپنے نبی کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے تو جبرائیل کے ذریعے ان کو احکام بھی سکھائے جاتے ہیں۔ کیا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں کہ جبرائیل امین نے دو دن نمازیں پڑھا کر اوقات کی ابتداء وانتہاء معین کرنے کے متعلق بتایا؟

استاذی المکرّم نے تو یہ تحریر فرمایا ہے کہ جبرائیل آپ کے اور اللہ تعالی کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بن گئے۔ وہ رب تعالی کا پیغام پہنچاتے رہے، یہ نہیں کہ وہ آپ کے استاذ بن گئے۔ یا وہ مرتبہ میں نبی کریم ﷺ سے بلند مرتبہ والے ہوگئے جبرائیل سے تو ہر نبی کا مرتبہ بلند

ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سید الانبیاء ہیں۔

استاذی المکرم نے یہ نہیں لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ارواح میں عطاء کیے ہوئے علوم آپ سے سلب کر لئے گئے نہ آپ کے علم کی نفی، نہ آپ کے مرتبہ کی کمی کا ذکر کیا گیا۔ ذکر صرف اس چیز کا ہے کہ چالیس سال سے پہلے مطلقاً نبوت یعنی محبتِ روحانی اور چالیس سال کے بعد نبوتِ روحانی کے ساتھ نبوتِ جسمانی کے ملنے کے احکام جداگانہ ہیں۔

عادتِ الٰہیہ یہی ہے کہ جب اعلانِ نبوت کی اجازت فرمائی جاتی ہے ساتھ ہی جبرائیل کی امامت سے اوقات کی تعیین بھی کرائی جاتی ہے۔

استاذی المکرم نے ''پہلی وحی والی حدیث کے متعلق چند غور طلب امور'' عنوان کے تحت ذکر فرمایا:

اول: جبرائیل امین علیہ السلام آپ کو سینہ سے لگا کر دباتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں " حتی بلغ منی الجهد " حتی کہ میری قوت برداشت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی اس کا اس سے زیادہ دبانا میرے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔

نوٹ: یہ معنی اس صورت میں ہے کہ " الجهد " کے لفظ پر رفع پڑھا جائے لیکن اگر " (حتی بلغ منی الجهد ") زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے دبانے میں اپنی قوت وطاقت کی انتہاء کو پہنچ گئے اس سے زیادہ مجھے دبانا ان کے بس میں نہیں۔

یہ بحث معلق کی گئی ہے ماقبل بحث پر کہ روح مجرد کی قوت اور ہے اور روح جب بدن سریانی میں حلول کرے تو اس کی قوت اور ہے۔ اس پر مزید دلائل قائم یہ کیے گئے کہ جب فرشتہ بشری شکل میں آئے تو اس کی قوت اور ہے اور جب ملکی صورت میں آئے تو اس کی قوت اور ہے۔

جبرائیل کی صورت میں کوہ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر لا کر فضاء میں کھڑے رہتے ہیں۔ اور لوط علیہ السلام کی قوم کے علاقہ کی زمین کو نچلی تہہ سے اٹھا کر آسمان دنیا کے قریب لے جا کر الٹا دیا۔ اور جبرائیل جب بشری حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے آئے تو نبی

کریم ﷺ کو گلے لگا کر دبایا اپنی پوری طاقت صرف کردی لیکن اس سے زیادہ دبانا ان کے بس میں نہیں تھا۔

اسی طرح عزرائیل جب ملکی حالت میں ہوتے ہیں تو ان کی طاقت اور ہوتی ہے۔ اور جب وہ انسانی شکل میں آتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام ان کو تھپڑ مار کر ان کی آنکھ نکال دیتے ہیں۔
اسی پر استاذی المکرم نے نتیجہ مرتب کیا:

"یہی وجہ علماء اعلام اور شراح حدیث نے دوسرے معنی کے (جو نوٹ میں لکھا گیا ہے) کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ اب جبرائیل علیہ السلام بشری حالت میں تھے جب کہ اس وقت ملکی حالت میں تھے جس وقت آپ نے کوہ طور اور قطعہ ارضی کو ایک پر کے کنارے پر اٹھالیا تھا۔ لہٰذا بشری حالت میں اتنا ہی زور ظاہر کر سکتے (جو نبی کریم ﷺ پر زور لگا کر بے بس ہو گئے)"

جبرائیل کو قوت ملکی اور قوت حالت بشری کا فرق آپ نے اس عبارت سے بیان فرمایا:

لا شك ان جبريل فى حالة الغط لم يكن على صورته الحقيقة التى تجلى بها عند سدرة المنتهى وعند ما وراه مستويا على الكرسى فيكون استفراغ جهده بحسب صورته التى تجلى له و غطه واذا صحت الروايات اضمحل الاستبعاد	بلا شک وشبہ جبرائیل علیہ السلام نبی مکرم ﷺ کو سینہ سے لگا کر دباتے وقت اپنی اصلی (ملکی) صورت پر نہیں تھے جس کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ پر جلوہ گر ہوتے تھے اور جس کے ساتھ آپ ﷺ نے اس کو آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر جلوہ گر دیکھا تھا لہٰذا اس کی طاقت کا

اپنی انتہاء کو پہنچا اس صورت (بشری) کے اعتبار سے ہے جس میں وہ جلوہ گر ہونے اور آپ کو بھینچا (دبایا) اور جب یہ روایت صحیح طور پر ثابت ہے تو اس میں استبعاد اور ریب وتردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

استاذی المکرم نے نبی کریم ﷺ کی روح مجرد اور روح کے بدن سریانی کے حلول کا فرق فرشتوں کی ملکی صورت اور بشری صورت کے فرق سے استدلال یوں بیان فرمایا:

"مقام غور یہ ہے کہ اگر صرف وقتی اور عارضی بشری روپ اس قدر حائل اور مانع ہوسکتا ہے تو کیا اصل اور حقیقی اور دائمی بشریت کا اثر ظاہر نہیں ہوگا اور اس کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور مانع پیدا نہیں ہوگا۔ یقیناً اثر ظاہر ہونا لازم اور ضروری ہے اور یہ حقائق حدیثیہ اس امر کے شاہد صادق اور دلیلِ ناطق ہیں۔"

اس پر استاذی المکرم کی اس عبارت کو مرتب کر کے دیکھیے:

"لہٰذا یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عالم ارواح میں ہوتے ہوئے محبوب کریم ﷺ کی طاقت اور توانائی اور تھی صلاحیتیں اور استعدادیں اس بشری حالت سے مختلف تھیں اور بشری حالت والی طاقت تجرد والی توانائیوں اور استعدادوں سے مختلف ہو چکی تھی۔"

معترضین نے جس عبارت کو نشانہ بنایا ذرا اسے بھی بیان کردہ موضوع پر چسپاں کر کے دیکھیے!

"جبرائیل کوہِ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر لانے والا اور لوط علیہ السلام کی بستی کو زیر و زبر کرنے والا۔ اتنی بڑی قوت و طاقت کا مالک یہاں اتنا کمزور اور ضعیف اور نحیف و نزار کیوں ہو رہا تھا کہ ایک شخص انسانی (نبی کریم ﷺ) کو دبانے اور بھینچنے میں اس کی قوت و طاقت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی تھی (اس کی وجہ یہی تھی کہ اس وقت جبرئیل ملکی حالت میں نہیں تھے بلکہ بشری صورت میں تھے) تو لامحالہ تسلیم کرنے پڑے گا کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح اقدس کے تجرد اور بدن سے تعلق قبل قوت و طاقت اور تھی جو بدن میں حلول و سریان کی وجہ سے ضعف و ناتوانی سے دوچار ہو گئی تھی۔"

آخری دو سطروں کو گستاخانہ عبارت بنایا جارہا ہے:

کہ یہ کہنا بہت بڑی گستاخی ہے کہ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روحِ اقدس کے تجرد اور بدن سے تعلق قبل قوت و طاقت اور تھی جو بدن میں حلول و سریان کی وجہ سے ضعف و ناتوانی سے دوچار ہوگئی۔

اس عبارت کو کیوں گستاخانہ بنایا جارہا ہے:

کیا نبی کریم ﷺ کو دو حالتیں حاصل نہیں؟ ایک نورانی اور ایک بشری۔ نورانی حالت جب آپ کی غالب ہوتی ہے اور جبرائیل بشری صورت میں ہوتے ہیں تو جب آپ کو دبا کر پوری طاقت صرف کردیتے ہیں۔ بے بس ہوجاتے ہیں ان کے دبانے کا کوئی اثر نبی کریم ﷺ پر نہیں ہوتا۔ اس کا ذکر استاذی المکرم کے الفاظ میں پیش کرچکا ہوں:

"نورانیت کے غلبہ پر مصطفیٰ کریم ﷺ کی طاقت جبرائیل سے زائد ہے۔
جبرائیل عاجز آجاتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی رفتار جاری رہتی ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی نورانیت کے غلبہ پر طاقت استاذی المکرم کے الفاظ میں دیکھئے:

مگر جب معراج شریف میں ملاقات سے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا تو اس وقت بدنِ اقدس بھی سراسر نور بنا ہوا تھا اور روحِ اقدس کی خداداد استعدادات اور صلاحیتوں کے ظہور میں مانع اور حائل نہیں تھا اس لئے جبریل امین تمام تر قوتوں کے باوجود اور حاجب و مانع امر طاری نہ ہونے کے باوجود آپ کی رفتار اور اس بے پر نبی کی پرواز کا ساتھ نہ دے سکے اور اپنے مسکنِ قدیم سے بال برابر بھی آگے جانے کی ہمت نہ کرسکے جبکہ آپ فرمارہے تھے:

چوں در دوستی مخلصم یافتی　　عنانم ز صحبت چرا تافتی
بدو گفت سالار بیت الحرام　　کہ اے حامل وحی برتر خرام

جب تو نے دوستی میں مجھے مخلص پایا ہے تو میری صحبت سے تو اپنی باگ ڈوری کیوں پھیر رہا ہے؟ اسے بیت الحرام کے سردار نے کہا کہ اے حامل وحی! اوپر چلو۔
مگر اس امین وحی کا جواب کیا تھا:

اگر یکسر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اگر ایک بال برابر بھی اوپر اڑوں تو تجلیات کی شعاؤں سے میرے پر جل جائیں صرف ایک بال کی مقدار آگے جانے پر ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں یقین ہے کیونکہ ملائکہ اوہام وخیالات کا شکار نہیں ہوسکتے اور پھر وہ بھی جبرائیل امین جیسے رسول من الملائکہ بلکہ وہ اپنی طرف سے حتمی فیصلہ دے رہے ہیں اور معذرت خواہ ہیں۔

بگفتا فراتر مجالم نماند بماندم کہ نیروئے بالم نماند

جبرائیل نے کہا اے رب اوپر جانے کی میری طاقت نہیں رہی۔ میں تھک گیا ہوں کہ میرے پروں میں طاقت نہیں رہی۔ (ماخوذ از تحقیقات' ص ۵۲ تا ۵۵)

بشریت کے غلبہ پر بشریت کے مناسب حال احادیث سے دیکھئے:

عن انس قال کنت امشی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیه برد نجرانی غلیظ الحاشیة فادر که اعرابی فجبذه بردائه جبذة شدیدة ورجع نبی الله صلی الله علیه وسلم فی نحر الاعرابی حتی نظرت الی صفحة عاتق رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم ضحك ثم امر له بعطاء۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ پر نجرانی چادر تھی۔ جس کی طرف (کناری) سخت اور موٹی تھی تو آپ کو ایک اعرابی (دیہاتی) نے پایا تو اس نے آپ کی چادر کو زور سے کھینچا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کے سینے کی طرف لوٹ آئے یہاں تک کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر اعرابی کے زور سے چادر کھینچنے کی وجہ چادر کی سخت کناری کے نشان پڑے ہوئے دیکھے۔ پھر اس نے کہا اے محمد (ﷺ) میرے لئے مال کا حکم دیں اس مال سے جو اللہ کا مال تمہارے پاس ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف توجہ فرمائی پھر آپ مسکرائے پھر آپ نے اسے مال عطاء کرنے کا حکم دیا۔

وضاحت:

نجران یمن کے علاقہ میں ایک شہر کا نام ہے۔ نہایہ میں مذکور ہے کہ وہ حجاز اور شام اور یمن کے درمیان ہے۔ تاہم یمن کے قریب ہونے کی وجہ سے نجران کی بنی ہوئی دھاروی دار چادر کو، نجرانی یا یمنی برد (چادر) کہا گیا ہے۔ "الحاشیۃ" کا معنی ہے طرف، کناری۔ جبذ ایک لغت ہے جذب کی، بعض حضرات نے اس میں قلب کا قول کیا ہے۔

"صفحۃ عاتق وھو موضع الرداء من المنکب" یعنی کندھے میں چادر کو رکھنے کی جگہ کو "صفحۃ العاتق" کہا جاتا ہے۔

وہ شخص مولفۃ قلوب سے تھے اسی لئے نبی کریم ﷺ سے نرمی کے بجائے سختی سے بات کی۔ پھر آپ کا نام لے کر بھی پکارا اور کہا کہ تم حکم دو ان کو کہ مجھے مال دیں۔ جو مال تمہیں بغیر کسی کسب کے اللہ تعالیٰ نے مال عطاء کیا ہے۔

دوسری روایۃ میں ہے "لا من مالك ولا من مال ابيك" وہ مال تمہارا یا تمہارے باپ کا نہیں۔ یہ شخص مال زکوۃ کا مطالبہ کر رہا تھا جو نبی کریم ﷺ بعض مولفۃ قلوب کو عطاء فرماتے تھے۔ اس شخص نے سختی سے مال کا مطالبہ کیا رسول اللہ ﷺ نے مہربانی سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف توجہ فرماتے ہوئے اسے مال عطاء فرمایا۔

ایک جملہ کی طرف توجہ فرمائیں:

"ورجع نبی الله صلى الله عليه وسلم فی نحر الاعرابی ای فی صدره و مقابله من شدة جذبه" ایک معنی یہ ہے کہ اعرابی کے شدید کھینچنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس کے سینہ اور اس کے مقابل مائل ہو گئے دھچکے کی وجہ سے ڈول گئے۔

دوسرا معنی علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب تحریر فرمایا:

استقبل صلى الله عليه وسلم نحوه استقبالا تاما وھو معنی قوله "واذا التفت التفت معا" معنی اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامل طریقے سے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کے

وھذا یدل علی انه لم یتغیر ولم یتاثر من سوء ادبه

مقابل اسے سامنے سے دیکھا یہی معنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف مکمل توجہ فرمائی۔ یعنی آپ نے اس کے سخت کھینچنے کا کوئی اثر نہیں لیا اور نہ ہی آپ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

حدیث پاک سے دو چیزیں حاصل ہوئیں:

ایک باب کے مناسب نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ واضح ہوئے اور دوسرا یہ ثابت ہوا کہ آپ کی حالتِ بشری کے مطابق آپ کے کندھے پر چادر کے کھینچنے کا اثر ہوا کہ جسم پر نشان پڑ گیا۔

عن انس بن مالك انه قال خر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن فرس فجحش فصلی لنا قاعدا

(مسلم شریف ج1 ص197)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ گھوڑے سے بلا اختیار نیچے آگئے (گر گئے) آپ زخمی ہو گئے تو آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مختلف سندوں سے ثابت ہے۔ ایک روایت لفظ "سقط" ایک میں "صرع" ہے۔ معنی سب کا ایک ہی ہے۔ گر جانا۔

ایک روایت میں تفصیل ہے:

عن الزھری قال سمعت انس بن مالك یقول سقط النبی ﷺ عن فرس فجحش شقه الایمن فدخلنا علیه نعوده فحضرت الصلوة فصلی بنا قاعدا فصلینا وراءه قعودا فلما قضی الصلوة قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا سجد فاسجدوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد واذا صلی قاعدا فصلوا

زہری کہتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا نبی کریم ﷺ بغیر اختیار کے گھوڑے سے نیچے آگئے (گر گئے) تو آپ کی دائیں طرف میں زخم آگئے تو ہم آپ پر داخل ہوئے آپ کی عیادت کرنے کیلئے تو نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ نماز سے

قعودا اجمعون

(مسلم شریف ج1 ص196-197)

فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور جب سر اٹھائے تو تم سر اٹھالو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

(یہ حدیث بخاری نے تکرار سے ذکر کی ہے)

ایک روایت میں ہے کہ ہم نے نماز کھڑے ہو کر شروع کی تو آپ نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ہم بیٹھ گئے۔ حدیثِ پاک سے واضح ہو گیا کہ گھوڑے سے بغیر اختیار کے نیچے تشریف لانا حالتِ بشریت کے مطابق ہی تھا۔ حالتِ نورانیت کے غلبہ کے وقت تو آپ براق سے نیچے نہیں گرے۔

حدیث کا حکم منسوخ ہے:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وفی کلام البخاری ما یقتضی المیل الی ان حدیث اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا منسوخ، فانہ قال بعد ان رواہ قال الحمیدی ھذا حدیث منسوخ قال ابو عبداللہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر ما صلی قاعدا والناس خلفہ قیام وانما یؤخذ بالاخر من فعلہ علیہ الصلوۃ والسلام

بخاری کے کلام جو میں میلان اس حدیث کی طرف ملتا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو، وہ حدیث منسوخ ہے اسلئے کہ حمیدی نے اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس لئے منسوخ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آخری نماز (مرضِ وصال میں) بیٹھ کر پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے اس لئے آپ کے آخری فعل پر عمل ہوگا۔

فائدہ:

ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امر فی مرضه الذی توفی فیه ابا بکر رضی الله عنه ان یصلی بالناس فلما دخل ابوبکر فی الصلوة وجد رسول الله صلی الله علیه وسلم من نفسه خفة فقام یهادی بین رجلین ورجلاه یخطان فی الأرض فجاء فجلس عن یسار ابی بکر فکان رسول الله علیه وسلم یصلی بالناس جالسا وابوبکر قائم یقتدی ابوبکر بصلوة النبی ﷺ و یقتدی الناس بصلوة ابی بکر۔

(رواہ البخاری ومسلم)

بیشک رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض وصال میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کی تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ خلعت پائی یعنی مرض میں کچھ کمی محسوس کی تو آپ کھڑے ہوئے دو آدمیوں کے سہارے پر چل رہے تھے آپ کے پاؤں مبارک زمین پر خط کھنچ رہے تھے تو آپ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ گئے تو رسول ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نبی کریم ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے۔

وضاحت حدیث:

یہ حدیث واضح طور پر اس پر دلالت کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی اقتداء کر رہے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو نماز پڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مبلغ ومکبر تھے۔ " لانه لایجوز ان یکون الناس امامان" اس لئے کہ یہ جائز نہیں کہ لوگوں کے ایک ہی نماز میں بیک وقت دو امام ہوں۔

اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث واضح طور پر دلالت کر رہی ہے

"قال اشتكی رسول اللہ ﷺ فصلینا ورائه وهو قاعد وابوبكر يسمع الناس تكبيره"

(رواہ المسلم بلفظه والبخاری بمعناہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے ہم آپ کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے آپ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی تکبیریں لوگوں کو سنا رہے تھے۔

یہ نماز ظہر کی تھی ہفتہ یا اتوار کا دن تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا وصال پیر کو ہوا۔ بیہقی وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے۔ ماوردی نے بیان کیا ہے کہ بخاری میں ہے کہ آپ کا اسی دن وصال ہو گیا۔

اصل میں وجہ یہ ہے کہ ایک روایت اسود کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک روایت حضرت مسروق کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ جس میں ذکر ہے:

"ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی خلف ابی بکر فی مرضه الذی مات فیه قاعدا"

بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے اپنی مرض وصال میں نماز بیٹھ کر ادا کی۔

ان روایات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے۔

روایات میں تطبیق:

بیہقی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ روایات میں کوئی تعارض نہیں بلکہ تطبیق موجود ہے:

فان الصلوة التی کان فیه النبی ﷺ اماما هی صلوة الظهر یوم السبت او یوم الاحد والتی کان فیها ماموما هی صلوة الصبح من یوم الاثنین وهی آخر صلوة صلاها علیه السلام حتی خرج عن الدنیا

بیشک وہ نماز جس میں نبی کریم ﷺ امام تھے وہ ظہر کی نماز تھی ہفتہ یا اتوار کا دن تھا۔ وہ نماز جس میں آپ مقتدی تھے وہ صبح کی نماز تھی پیر کا دن تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی آخری نماز تھی یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔

عینی رحمہ اللہ نے اس پر مزید یہ بیان فرمایا کہ تمام روایات صحیح ہیں۔ ان میں کوئی

تعارض نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مرض وصال میں دو نمازیں مسجد میں ادا کیں۔ ایک میں آپ امام تھے اور دوسری میں آپ مقتدی تھے۔ جس میں آپ امام تھے اس نماز کے لئے آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے پر چلے تھے۔ اور جس نماز میں آپ مقتدی تھے اس میں آپ حضرت بریرہ اور حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہما کے سہارے پر چلے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی شدید مرض پھر شدت مرض میں آپ کا نحیف ہونا اور دو شخصیات کے سہارے چلنا یہ سب غلبۂ بشریت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ ورنہ غلبۂ نورانیت کے لحاظ پر جس طرح ظاہری حیات میں آپ تھے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ آپ کو حیات حاصل ہے۔

راقم تحریری اور تدریسی جو کام کر رہا ہے وہ اساتذہ کرام کی مہربانیوں سے ہے۔ استاذ کے بغیر خود انسان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ "الا ماشاء اللہ" کسی کو علم لدنی عطاء فرمادے، سب اساتذہ سے بڑھ کر اگر کسی کی محنت وشفقت ومہربانی ہے تو وہ استاذی المکرم مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کی ہے۔ راقم کا لکھنے کا انداز آسان ہے تا کہ عوام بھی سمجھ سکیں۔ اسلئے راقم نے "تذکرۃ الانبیاء" میں ابتداء وحی کے متعلق جو لکھا اس مضمون کو عوام کے فائدہ کیلئے یہاں شامل کیا جارہا ہے۔ تا کہ یہ رسالہ بھی عام لوگوں کو سمجھ آئے۔

ابتداءِ وحی:

"عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلٰى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءٍ"

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کہتی ہیں: کہ حضور ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا' پھر آپ کو تخلیہ (گوشہ نشینی' علیحدگی) پسند آ گئی تو آپ غار حرا میں خلوت گزینی (علیحدگی) فرمانے لگے اور وہاں متعدد راتیں عبادت فرماتے بغیر اس کے کہ اپنے اہل وعیال کی

طرف جائیں اور آپ اپنے ہمراہ توشہ لے جاتے جب وہ ختم ہوتا تو آپ حضرت (بخاری باب کیف کان بدء الوحی ج 1 ص 2) خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور مزید توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آ گیا' ایسے حال میں آپ غار حرا میں تھے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی کی ابتداء رؤیائے صالحہ (سچے خوابوں) سے ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ کے خواب صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتے تھے یعنی آپ جو بھی خواب دیکھتے وہی بعینہ پیش آتے تھے۔ یہ سچے خواب دیکھنے پر آپ کو علیحدگی پسند آنے لگی۔ اسی وجہ سے آپ غار حرا میں کئی کئی دن جا کر قیام کرتے' اپنا خرچ ساتھ لے جاتے تھے۔ جب وہ ختم ہو جاتا پھر آپ گھر تشریف لے آتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور خرچ یعنی کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے اور پھر غار حرا میں جا کر عبادت شروع فرما لیتے وہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟

"اُجِیبَ بِاَنَّ ذٰلِکَ کَانَ بِالتَّفَکُّرِ وَالْاِعْتِبَارِ" "جواب دیا گیا کہ آپ کی عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری تھی۔"

خیال رہے کہ آپ کی عبادت دن کو بھی ہوتی اور رات کو بھی لیکن یہاں صرف رات کا ذکر کیا گیا یا تو قاعدۂ تغلیب کے پیشِ نظر اور یا گوشہ نشینی کے لئے راتوں کا استعمال اہم ہے اسلئے کہ راتوں کا ذکر کیا گیا۔

فَیَتَحَنَّثُ کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا ابن شہاب زہری نے تَعَبَّدُ (عبادت کرنا) سے کی ہے۔ اصل میں تین لفظ ایسے ہیں جو باب تفعل پر آئیں تو ان میں معنی سلب کا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

"تاثم' تحوب' تحنث" پہلے دونوں لفظوں کا معنی ہے "گناہوں سے دور رہنا" اور تحنث کا بھی تقریباً یہی معنی ہے یعنی خلاف شان کاموں سے اجتناب کرنا اور جب

خلاف شان کاموں سے اجتناب اچھے کاموں سے ہے تو یقیناً وہ تعبد ہی ہے۔

حضور ﷺ کا غار حرا میں قیام کتنی دیر کے لئے ہوتا؟ اس کی تعداد معین ذکر نہیں اسی لئے بعض حضرات نے کثرت معنی لیا ہے اور بعض نے قلت یعنی کثیر راتیں آپ وہاں قیام فرماتے تھے اور کچھ حضرات نے کہا کہ کچھ راتیں وہاں قیام فرماتے اور پھر واپس آجاتے اور ایک احتمال یہ ذکر کیا گیا ہے۔

"وَهِيَ شَهْرٌ فِي كُلِّ سَنَةٍ وَذَالِكَ الشَّهْرُ كَانَ رَمَضَانَ" "اور یہ ہر سال میں ایک مہینہ کا قیام ہوتا اور وہ مہینہ رمضان کا ہوتا"

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَقُوْلُ وَيُمْكِنُ اَنْ تَكُوْنَ الْمُدَّةُ اَرْبَعِيْنَ قِيَاسًا عَلٰى مِيْعَاتِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ" "میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ مدت چالیس دنوں کی ہو کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا طور پر قیام چالیس دن ہی تھا' جب آپ تورات لائے۔"

"وَلَمَّا فِيْهَا مِنَ الْخَوَاصِ وَالْاَسْرَارِ الَّتِيْ تَظْهَرُ اٰثَارُهَا وَاَنْوَارُهَا عَلَى الصُّوْفِيَّةِ الْاَبْرَارِ مَعَ مَا فِيْهَا مِنْ مُطَابَقَةِ الْاَرْبَعِيْنَاتِ فِي الْاَطْوَارِ" "چالیس دن رات کی مدت میں کچھ خصوصیات اور ایسے راز رکھے ہوئے ہیں جن کے آثار وانوار صوفیاء کرام پر ہی ظاہر ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کبھی چالیس دن رات عبادت کے لئے وقف کرتے ہیں' نوافل ادا کرتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' مختصر کھانے سے روزہ افطار کرتے ہیں' ان کی اس عبادت کو "چلہ کشی" کا نام دیا جاتا ہے۔"

لطف کی بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والے بھی اپنے چالیس دن کی سیر وسیاحت' پکنک منانے کے دورے کو "چلہ کاٹنا" کہتے ہیں اور اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ "چالیس کا ہندسہ" انہیں بھی پسند ہے۔

"وَقَدْ قَالَ ﷺ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص دل سے چالیس صبح

عَلٰى لِسَانِهٖ هٰذَا"

عبادت کی اس کا ذکر کیا۔ اس کے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔"

(فیوض الباری' مرقاۃ ج 11 ص 107-106)

آپ کے پاس فرشتے کی آمد:

"فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اِقْرَأْ! فَقَالَ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ: فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اِقْرَأْ! فَقُلْتُ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيَ الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اِقْرَأْ! فَقُلْتُ: مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيَ الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾

"پس فرشتہ آپ کے پاس آیا' اس نے کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھتا۔ یہاں تک کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا' پھر چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے پھر کہا: میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے پھر وہی جواب دیا میں نہیں پڑھتا۔ فرشتے نے تیسری بار پھر دبایا اور کہا: پڑھیے! اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔"

یہ تھی غار حرا میں حضور ﷺ پر سب سے پہلی وحی اور ایک پیغام لانے کی حیثیت سے جبریل علیہ السلام کی پہلی حاضری اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس فرشتہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہی ہیں اور قرآن کریم جبریل علیہ السلام ہی لیکر نازل ہوئے' قرآن پاک میں بھی اسے واضح طور پر بیان کیا گیا۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ

"آپ کے دل پر روح امین (جبریل) نے قرآن پاک نازل کیا۔"

رویائے صالحہ اور خلوت اختیار کرنے کے بعد یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ جبریل علیہ السلام

سامنے آ گئے اور انہوں نے سورہ اقراء کی پانچ آیتیں سنائیں۔ یہ رمضان کا مہینہ اور پیر کا دن تھا۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

"فَقَالَ: اِقْرَاْ!" حضرت جبریل آمین نے عرض کیا: اِقْرَاْ! پڑھئے! جبریل علیہ السلام نے تین مرتبہ اقراْ! کہا اور حضور ﷺ نے تینوں مرتبہ "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" (میں تو نہیں پڑھتا) فرمایا۔

تین اقرا کہنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جس وحی کا آغاز ہو رہا ہے وہ تین چیزوں پر مشتمل ہوگی: توحید، احکام اور قصص۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: پڑھئے! تو حضور ﷺ نے فرمایا: "میں نہیں پڑھتا" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے انکار کیوں فرمایا؟ جواباً عرض یہ ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا تین مرتبہ کہنا "اقرا" اور حضور ﷺ کا ہر بار جواب دینا "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس میں کیا حکمتیں تھیں؟ اس کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے۔ البتہ بظاہر انکار کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ غار حرا میں ذکرِ الٰہی سے لطف اندوز تھے۔ قلب اقدس پر کیف کا عالم طاری تھا کہ اچانک حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر استدعا کی کہ پڑھئے تو ظاہر ہے کہ جب آپ کا قلب مبارک محبوبِ حقیقی کی یاد میں سرشار تھا اور ایک استغراق کی کیفیت طاری تھیں تو ایسی صورت میں آپ نے دوسری جانب توجہ مبذول فرمانا گوارا نہ فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بار اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے معانقہ بھی فرمایا مگر حضور ﷺ کا قلبی اقتضاء یہ ہی رہا کہ ذکرِ حبیب سے لطف اندوز ہوتا رہوں، یہاں تک کہ جب جبریل امین علیہ السلام نے اسی محبوبِ حقیقی کے نام کی برکت سے پڑھنے کی استدعا کی جس کے مشاہدہ جمال میں حضور ﷺ مستغرق تھے تو آپ ادھر متوجہ ہوئے اور سورۂ اقرا کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اکثر حضرات نے تو "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" میں "ما" نافیہ بنایا ہے جس کا معنی ہے میں نہیں پڑھتا۔ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے عینی ج 1 ص 67 میں اس طرح

بیان فرمائی کہ ما استفہامیہ ہے جیسے { مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسٰى } میں ہے اور اس کی تائید روایت ابی الاسود فی مناز یہ بھی کرتی ہے جس میں "ما انا بقاری" کی جگہ "کَیْفَ اَقْرَأُ" یا "مَاذَا اَقْرَأُ" آیا ہے۔

اور ممکن ہے کہ پہلا ما نافیہ ہو۔ دوسرا استفہامیہ اور تیسرا موصولہ ہو یعنی پہلی مرتبہ فرمایا ہو کہ میں نہیں پڑھتا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق تھے اور دوسری مرتبہ جبریل امین کے معانقہ کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ہو کہ میں کیا پڑھوں اور تیسری مرتبہ فرمایا ہو کہ اچھا میں جو پڑھنے والا ہوں وہ کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ 1

تنبیہ: راقم نے حدیث کا ترجمہ مولٰنا محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی "فیوض الباری شرح بخاری ج 1 ص 75" سے لیا "حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ" کا معنی علامہ رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا "وہ تھک گیا"۔

اعتراض:

فرشتے کا تھک جانا صحیح نہیں کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۩ (سورۃ حم السجدہ 38:24)

"تو یہ اگر تکبر کریں جو تمہارے رب کے پاس ہیں رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور اکتاتے نہیں۔" (کنز الایمان)

یعنی انسان اگر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں تو نقصان ان کا اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دن رات تسبیح بیان کرنے والے فرشتے ہیں جو اس کے پاس ہیں وہ اکتاتے نہیں وہ ملول نہیں ہوتے۔ مفہوم تقریباً یہی ہے کہ وہ تھکتے نہیں۔ اور ارشاد گرامی ہے:

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝

"اور اسی کے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں۔"

1۔ فیوض الباری، ج 1، ص 76-75 .... مرقاۃ، ج 11، ص 108

اس آیت کریمہ میں فرشتوں کے نہ تھکنے کا واضح طور پر ذکر ہے۔اس لئے ''وہ (فرشتہ) تھک گیا'' ترجمہ صحیح نہیں ہوسکتا۔

اجمالی جواب:

جو آیات معترضین پیش کرتے ہیں'ان کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالٰی کی عبادت سے نہیں تھکتے اور حدیث میں جو ذکر ہے وہ یہ ہے {قَالَ: فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ} ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے نے مجھے پکڑا اور اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا'' اس میں عبادت کا ذکر کہاں ہے؟ اس میں تو یہ ذکر ہے کہ فرشتے نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر دبایا۔اس کے دبانے کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اثر نہ ہوا۔آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوئی بلکہ فرشتہ خود ہی تھک ہار گیا۔

تفصیلی جواب:

آیئے! جواب سمجھنے سے پہلے چند چیزوں کو ذہن میں رکھیں۔ ''تھکنا' ہارنا' اکتانا'' ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔اردو لغات ''جامع'' کو دیکھئے:

تھکا (ہندی) اسم صفت' صیغہ مفعول:

① : تھکا ہوا۔ ②: ماندہ ③: کوفتہ

④: ست ⑤ ناچار ⑥: اکتایا ہوا۔

تھکاماندہ: ①: اسم صفت' عاجز شخص ②: ہارا تھکا' تھکا ٹوٹا۔

(اردو لغات جامع' ایچ۔ایم سعید کراچی)

عربی لغت ''المعجم الوسیط'' دیکھئے!

"جهد' یجهد' جهدا (بفتح الجیم) (ف) ویقال جهد فی الامر ای جد" فلاں نے اس کام میں کوشش کی۔

"وفی التنزیل (واقسموا بالله جهد ایمانهم طلب حتی وصل الی الغایة وبلغ المشقة" ''(انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی اپنی قسموں میں کوشش کی) یعنی طلب کیا یہاں تک کہ انتہا تک پہنچ گئے اور مشقت اٹھائی۔''

"جهد بفلان' امتحنه "یعنی جب "جهد" کے بعد "باء" آئے تو معنی ہوگا۔ (فلاں کا امتحان لیا) اور جب بغیر باء استعمال ہو "جهد فلانا' بلغ مشقته "پھر معنی ہوگا: فلاں کو مشقت پہنچائی۔

"جهد الناس ' احدبوا فهم مجهودون " جب لوگ قحط سالی کی مشقت میں ہوں تو اس وقت بولا جاتا ہے۔

"جهد العيش جهدا' ضاق واشتد فهو جهد" جب گذران تنگ ہو اور انسان شدت و مشقت میں ہو تو بولتے ہیں۔

"جهد العيش " اور "الجهد " جب جیم کے فتحہ سے آئے تو معنی ہوگا: مشقت' نہایت' غایت' وسعت' طاقت۔ (المعجم الوسیط)

عینی شرح بخاری دیکھیے:

"الجهد بضم الجيم وفتحها ومعناه الغاية والمشقة" — "جہد" جیم پر ضمہ ہو یا فتحہ' دونوں کا معنی ہے: غایت و مشقت"

"وفي المحكم الجهد بالضم والفتح الطاقة" — "محکم میں بیان کیا گیا کہ جیم پر خواہ ضمہ ہو یا فتحہ' اس کا معنی ہے: طاقت۔"

"وقيل الجهد بالضم المشقة والجهد بالفتح الطاقة" — "اور بعض حضرات نے بیان کیا کہ جب جیم پر ضمہ ہو تو معنی ہوگا: "مشقت" اور جب جیم پر فتحہ ہو تو معنی ہوگا "طاقت"۔

"وفي الموهب الجهد بالضم ما جهد الانسان من مرض او من مشاق والجهد بالفتح بلوغك غاية الامر الذي لا تألوا عن الجهد فيه" — "موہب میں مذکور ہے کہ جب جیم پر ضمہ ہو تو معنی ہوگا مرض وغیرہ کی وجہ سے مشقت پہنچنا اور جب جیم پر فتحہ ہو تو معنی ہوگا: بہت زیادہ معاملہ کی انتہاء تک کوشش کرنا اور کوشش میں کوئی کمی نہ کرنا۔"

"وقال ابن دريد جهدته حملته علی ان یبلغ مجهود" "ابن درید کہتے ہیں: جب کوئی کہے "جھدتہ" تو اس کا معنی ہے: میں نے فلاں کو بہت بڑی مشقت میں ڈال دیا۔"

ابن اعرابی، ابوعمرو اور اصمعی نے بیان کیا ہے: "جہد" اور "اجہد" کا معنی ایک ہی ہے ۔ البتہ ابن اعرابی اور ابوعمرو نے دونوں کا معنی لیا ہے "کوشش کرنا" اور اصمعی نے دونوں کا معنی کیا ہے: "مشقت میں ڈالنا۔" (1)

مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پاک کا ترجمہ یوں کیا:

"جب کہ آپ غارِ حرا میں تھے ۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا، عرض کیا: پڑھیے! فرمایا: میں نہیں پڑھنے والا۔ پھر اس نے مجھے پکڑا، مجھے گلے لگایا حتی کہ اسے مجھ سے مشقت پہنچی، پھر مجھے چھوڑ دیا۔ 2

مفتی محمد شریف الحق امجدی مبارکپوری (انڈیا) کا ترجمہ وتشریح دیکھئے:

"میرے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی۔ (دوسرا معنی) مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہاء تک پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔ "الجھد" کا لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور جیم کے ضمہ سے بھی۔ قاموس میں فتحہ کی صورت میں بمعنی طاقت لیا ہے اور ضمہ کی صورت میں بمعنی مشقت ہے اور دونوں کا معنی غایت بھی۔ اور "عینی" میں بتایا گیا ہے دونوں کے معنی غایت ومشقت کے ہیں اور قول یہ ہے کہ جہد (بالضم) کے معنی مشقت اور جہد بالفتح کے معنی طاقت۔ 3

1۔ عمدۃ القاری شرح بخاری المعروف بعینی، ج 1، ص 50

2۔ مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج 8، ص 95،

3۔ نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج 1، ص 248

مولانا غلام رسول سعیدی کا ترجمہ دیکھئے:

"حتی کہ اس نے دبانے میں پوری قوت صرف کردی"1

جھدبمعنی تھکنا: "یقال جھد رأیی واجھدتہ اتعبہ بالفکر" جب شخص یہ کہنا چاہے کہ میں نے فلاں شخص کو اپنی رائے اور فکر میں تھکا دیا تو اس وقت کہا جاتا ہے: "جھدتہ رأیی واجھدتہ" میں نے اپنی رائے میں کوشش کر کے اسے تھکا دیا۔

حاصلِ جواب:

"اردو میں جتنے تراجم ہیں' سب ہی قریب قریب ہیں' لفظی ہیر پھیر ہے۔

①: اسے مجھ سے مشقت پہنچی۔ ②: فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔

③: اس نے دبانے پر پوری قوت صرف کردی۔

سب کا مطلب یہ کہ فرشتہ مجھ سے عاجز آگیا۔ اب آپ علامہ محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت ترجمہ ایک بار پھر دیکھئے: "کہ وہ (فرشتہ) تھک گیا۔"

انبیاء کرام کو عام آدمی کے برابر نہ سمجھیں:

عام آدمی کی بات ہوتی تو یہ کہنا آسان تھا کہ فرشتہ میرے ساتھ مقابلہ میں تھکتا نہیں۔ اور اسی طرح یہ کہا جاسکتا تھا: "فرشتہ تجھ سے نہیں تھکتا۔" بات تو سید الانبیاء' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ کو فرشتہ نے دبایا لیکن آپ کو وہ عاجز نہ کرسکا بلکہ اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود وہ خود ہی عاجز آگیا' وہ تھک ہار گیا۔

موسیٰ علیہ السلام سے عزرائیل عاجز آگئے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں یہ الفاظ مبارکہ نہ بھولئے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ الْمَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهٗ: اَجِبْ رَبَّكَ' قَالَ: فَلَطَمَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَيْنَ الْمَلَكِ	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ کو کہا: اپنے رب کا حکم قبول کیجئے!

الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا" (موت کے لئے تیار ہو جائیے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ پر تھپڑ مارا' جس سے اس کی آنکھ نکل گئی۔" (صحیح مسلم' باب فضائل موسیٰ علیہ السلام' ج2' ص275)

اگر موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ مارنے سے عزرائیل علیہ السلام کی آنکھ نکل سکتی ہے تو جبرائیل علیہ السلام کا مصطفیٰ کریم ﷺ سے تھک ہار جانا کون سے بعید بات ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' جبریل تھک گئے:

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے
چلو جو مرغِ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

راقم نے کہا:

فرشتوں کا عبادت سے نہ تھکنا اور ہے نبی سے تھکنا اور ہے
نبی کو مثلِ ما سمجھنا اور ہے' بلند شان بے مثل سمجھنا اور ہے

راقم نے اہل سنت کے چار اردو تراجم پیش کر دیئے' جس کے دل کو جو پسند آئے اسے موضوع سخن بنالے۔ راقم کو علامہ محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں چاشنی نظر آئی تو نقل کر دیا۔ یہ ترجمہ میری نظر میں عظیم ہے۔

گھر آکر کمبل اوڑھانے کا مطالبہ:

"فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ: زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ' فَقَالَ: لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ"

"پھر حضور ﷺ نازل شدہ آیت لے کر واپس گھر تشریف لائے۔ قلب مبارک مضطرب تھا۔ فرمایا: مجھے کمبل اوڑھاؤ' مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ آپ کو کمبل اوڑھایا گیا' یہاں تک کہ

وہ کیفیت اضطراب جاتی رہی، پھر حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو (غارِ حرا کا) تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا: مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔“

غارِ حرا میں حضور ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی اور انوار و برکاتِ صمدیت متوجہ ہوئے اور آپ نے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ وحی کی ثقالت اور کلام الٰہی کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب جان چلی۔ چنانچہ وحی کو خود قرآن نے قول ثقیل کہا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اگر وحی کسی پہاڑ پر اتاردی جاتی تو وہ جلالِ الٰہی سے پاش پاش ہو جاتا مگر یہ تو ذاتِ نبوی تھی جس نے بتوفیقِ الٰہی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے والی چیز کی شدت کو برداشت کرلیا۔

الغرض ”لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ“ کے جملہ سے حضور ﷺ نے وحی کی اس تکلیف اور شدت کو بیان فرمایا ہے جو غارِ حرا میں آپ کو پہنچی اور جس کے اثرات گھر تشریف لانے اور چادر اوڑھا دینے تک رہے اور جب چادر اوڑھا دی گئی تو وہ اضطرابی کیفیت ختم ہو گئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو غارِ حرا کا واقعہ سنایا چنانچہ ”ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ“ کا جملہ اس امر کی تصریح کر رہا ہے کہ خوف دور ہو جانے کے بعد آپ نے قصہ سنایا۔ یہ نہیں کہ قصہ سناتے وقت بھی آپ اپنی جان کے خوف میں مبتلا تھے۔

نبی کو نبوت کے ابتدائی مرحلہ میں فرائض نبوت کو نبھانے کا عارضی فکر ہو جانا' شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ منکرینِ سنت کا اس معصوم جملہ کو غلط رنگ دے کر یہ کہنا کہ بخاری سے تو یہ بھی ثابت ہے کہ ”حضور ﷺ کو اپنی نبوت ہی میں شک تھا“ نہایت بے ایمانی کے ساتھ حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی تحریف معنوی کرنا ہے کیونکہ پوری حدیث میں کوئی لفظ تو درکنار اشارہ تک نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ نبوت کے معاملہ میں ذرا بھر بھی ریب و شک میں مبتلا تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت ملی تو حکم ہوا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ ﴿اِنَّهٗ طَغٰى﴾ بیشک اس نے سر اٹھایا ہے یعنی سرکش ہو گیا ہے۔ تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿قَالَا

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ دونوں (موسیٰ وہارون علیہم السلام) نے عرض کیا: اے ہمارے رب! بیشک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

دیکھئے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو رہا ہے' ظاہر ہے کہ خوف کی علت یہ نہیں تھی کہ جناب کلیم اللہ علیہ السلام کو اپنی نبوت میں شک تھا' بلکہ یہ خوف فرضِ نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں تھا۔ مجھے فرعون جیسی عظیم طاقت کے مقابلہ کے لئے بھیجا جا رہا ہے تو میں تنہا فرائضِ نبوت سے کیونکر عہدہ برآ ہوں گا۔ یہی فکر تھی جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خوف میں مبتلا کر دیا اور انہیں عرض کرنا پڑا کہ الٰہی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون زیادتی نہ کرے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کا نبوت کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں فرض نبوت کی ادائیگی اور رسالت کی ذمہ داریوں کے متعلق عارضی طور پر ذرا دیر کے لئے باقتضاء بشریت خوف واضطراب میں مبتلاء ہو جانا شان نبوت کے منافی نہیں۔ اسی طرح "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِیْ" کا یہ مطلب لینا بھی باطل ہے کہ آپ پر فرشتہ کو دیکھ کر رعب پیدا ہو گیا تو آپ نے کہا کہ مجھے تو جان کا خطرہ ہو چلا تھا۔

اولاً: تو یہ اس لئے باطل ہے کہ یہ اس وقت کسی حد تک ممکن ہو سکتا تھا جبکہ جبریل علیہ السلام اپنی ملکی (فرشتوں والی) صورت میں آتے۔ حالانکہ حدیث پاک میں ملکی صورت میں آنے کا کوئی ذکر نہیں' البتہ آپ کے بشری صورت میں آنے کے واضح اشارات موجود ہیں تو اس میں اتنا رعب طاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً: اگر اس رعب کا سبب جبریل علیہ السلام ہوتے تو یہ رعب شروع میں دیکھتے ہی طاری ہونا چاہئے تھا' حالانکہ آپ بڑے سکون واطمینان سے جواب دے رہے ہیں وہ تین مرتبہ "اقرأ" کہہ رہے ہیں اور آپ ہر مرتبہ "ما انا بقاری" کہہ کر جواب دے رہے ہیں۔ اگر ڈر ہوتا تو معاذ اللہ آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ بھی ادا نہ ہو سکتا۔

لہٰذا واضح ہوا کہ رعب واضطراب کا سبب حضرت جبریل علیہ السلام کو فقط دیکھنا نہ تھا' بلکہ

کلامِ الٰہی کا نزول اور وحی کی ثقالت وشدت ہی تھی۔ 1

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے:

"لَیْسَ هُوَ بِمَعْنَی الشَّكِّ فِیْمَا اٰتَاهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ لٰكِنَّهٗ رُبَّمَا خَشِیَ اَنَّهٗ لَا یَقْوٰی عَلٰی مُقَاوَمَةِ هٰذَا الْاَمْرِ وَلَا یَقْدِرُ عَلٰی حَمْلِ اَعْبَاءِ الْوَحْيِ فَتَزْهَقُ نَفْسُهٗ"

(مرقاۃ' ج 11' ص 109)

"یہاں خوف طاری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو عطا کیا ہے آپ کو اس میں شک تھا' بلکہ اتنے عظیم امرِ نبوت کو اٹھانے کی قدرت کیسے رکھوں گا؟ یہی سبب تھا جسے آپ نے خوف وخطرہ سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ میری تو جان جا رہی تھی۔"

حضرت خدیجہ کا جواباً عرض کرنا:

"فَقَالَتْ خَدِیْجَةُ: كَلَّا وَاللّٰهِ لَا یُخْزِیْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِیْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ" 2

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ہرگز نہیں بخدا! (اللہ کی قسم) اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان وشرمندہ نہیں کرے گا۔ آپ قرابت داروں کا خوب حق ادا کرتے ہیں' سچی گفتگو فرماتے ہیں' بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں' مسافروں کی میزبانی کرتے ہیں اور لوگوں کو راہِ حق میں پیش آنے والے حوادث پر مدد دیتے ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تسلی آمیز الفاظ کو بار بار غور سے پڑھیں تو واضح ہوگا کہ فرشتے کا رعب نہیں تھا ورنہ آپ پوچھتیں: وہ کیسا شخص تھا؟ وہ کیسے آیا؟ کیسے پیش آیا؟ نہیں! آپ یہ نہیں پوچھ رہی تھیں' بلکہ کہہ رہی تھیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس ذات باری نے آپ کو یہ بارِ گراں اٹھانے کا حکم فرمایا ہے' وہی آپ کا معاون ہوگا۔ اس نے تو آپ کو اوصاف حمیدہ پہلے ہی عطا کر رکھے ہیں۔ آپ سے اگرچہ کوئی قطع تعلقی کرے لیکن آپ پھر بھی اس سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا

1۔ فیوض الباری شرح البخاری' ج 1 ص 80-78

2۔ بخاری ومسلم' مشکوۃ باب المبعث وبدء الوحی ص 522

کلام فرماتے ہیں لوگ بے شک آپ کی تکذیب بھی کرتے رہیں' آپ کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ آپ ضعیف لوگوں' یتیموں' بیواؤں' عیال دار' نادار عورتوں اور غریب مردوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں' ان کی امداد فرماتے ہیں' آپ بھلائی کے کاموں کے لئے مال حاصل کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کے پاس مال نہیں ہوتا انہیں عطا فرماتے ہیں اور جو مسافر لوگ آپ کے پاس آتے ہیں آپ ان کی امداد فرماتے ہیں اور جو مصائب حق کی راہ میں لوگوں پر آتے ہیں' آپ ان کی امداد فرماتے ہیں۔ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی پریشان نہیں کرے گا۔

سبحان اللہ! ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ نے جن الفاظ سے تسلی دی رب تعالیٰ نے بھی وہی الفاظ ذکر فرمائے۔ "يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ"

حدیث پاک سے یہ بھی سمجھ آیا کہ بعض اوقات کسی انسان کی اس کے سامنے تعریف کرنی جائز ہوتی ہے جبکہ معلوم ہو کہ وہ شخص اس پر متکبر نہیں ہو جائے گا اور اس تعریف کرنے میں لوگوں کو بھی اس نیکی کی طرف مائل کرنا ہے۔

اور یہ بھی واضح ہوا کہ آپ کا فقر اختیاری تھا' اضطراری نہیں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فقر کو پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اَلْفَقْرُ فَخْرِىْ" "فقر میرا فخر ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دلیل یہ پیش فرمائی:

"اِنَّكَ مِمَّنْ لَا يُصِيْبُهٗ مَكْرُوْهٌ لِمَا جَمَعَ اللّٰهُ فِيْكَ مِنْ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنِ الشَّمَائِلِ"

"بیشک آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اعلیٰ اخلاق اور اچھی عادات سے نوازا ہے۔"

"وَفِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَخِصَالَ الْخَيْرِ سَبَبٌ لِلسَّلَامَةِ مِنْ مَصَارِعِ السُّوْءِ"

"اس میں دلیل پائی جاتی ہے اس پر کہ اچھے اخلاق اور بھلائی کے کام برائی کی وجہ سے ہلاکتوں سے بچانے کی ذرائع واسباب ہیں۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے جانا:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان میں لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ چاہتا' اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے فرمایا: اے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنئے! ورقہ نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا: اے میرے بھتیجے! ہاں بتاؤ! تم کیا دیکھتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا: یہ ہی وہ ناموس (محرمِ اسرار یعنی جبریل) ہے جسے خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش میں اس وقت زندہ رہ سکتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا: ہاں! جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں' اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں اس زمانہ میں زندہ رہا تو آپ کی ہر طرح مدد کروں گا۔

اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد ہی ورقہ نے وفات پائی۔ اور اس کے بعد وحی رکی رہی۔

خیال رہے کہ سورہ اقراء کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد جبریل علیہ السلام کی آمد رکی رہی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سلسلہ وحی رک جانے کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ فرشتہ نظر آیا' جس کا ذکر حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کی روایت میں ہے۔ وہ وحی کے رک جانے کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (غار حرا سے) آ رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا تو مجھے اس سے خوف آیا۔ میں گھر واپس ہوا اور میں نے کہا: مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: {يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَأَنذِرْ ②}

سورۃ اقراء کی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد وحی آنا بند ہوگئی تھی جس کی مدت تین سال بتائی جاتی ہے۔اس کے بعد جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے تو سب سے پہلے مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں جن کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے جس کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔اس کے بعد وحی آنا شروع ہوگئی جس کا سلسلہ جاری رہا تا ہم حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

آپ پر جب عارضی طور پر وحی آنا بند ہوگئی تو آپ ملول رہتے تھے تا آنکہ رحمتِ الٰہی پھر متوجہ ہوگئی اور وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔وحی کیوں رکی رہی؟ اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے البتہ بعض شارحین نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے وحی آنا اس لئے بند ہوئی تا کہ پہلی بار جو آپ پر وحی کی شدت اور ثقالت کے اثرات مرتب ہوئے تھے وہ دور ہو جائیں اور آپ کا شوق اور بڑھ جائے۔

غلاظت کے ڈھیر سے مزید غلاظت کو موضوع سخن بنانا اپنے آپ کو غلاظت سے ملوث کرنے کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کے خلاف بکواس کرنے سے بچائے۔بکواس کرنے والے دو شخصوں کا بکواسات کے ذریعے جواب دینے سے بھی بچائے۔ اللھم انا نعوذ بك من الشاتمین۔

ابھی صرف گندگی کے ڈھیر سے بدبو حاصل کر رہا تھا۔کچھ گندگی کو صاف کر رہا تھا تو ایک عزیز نے مہکتی ہوئی خوشبو عطاء کی جس کی سنجیدگی کو دیکھ کر دل خوش ہوا یعنی ایک علمی شخصیت کی ایک کتاب کو دیکھا لیکن وہ بزرگ بھی شاید اپنی علمی عظمت کو ثابت کرنے کیلئے رٹنے سے ہی کام لیتے رہے۔ان کے ایک دو ارشادات کو اعتراض و جواب کی صورت میں ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قلمبند کرنے کے بعد فریقین کو مشورہ دے کر بات کو ختم کرنے کے ساتھ سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کر کے "وما علینا الا البلاغ" کا فریضہ مکمل کر کے اپنے کام میں مشغول ہو جاؤں گا ان شاء اللہ۔لیکن عظیم شخصیت کی خدمت میں اتنی عرض ضرور کروں گا کہ جس شخصیت کو آپ جاہل سمجھ کر منطق کے چھوٹے چھوٹے ضابطے سمجھا رہے ہیں وہ اشرف العلماء ہے۔میں صرف حسنِ ظن سے نہیں بلکہ حقیقت کے طور پر "رئیس المحققین والمدققین"

لکھتا ہوں۔

استاذی المکرم سے راقم نے ۱۹۶۶ء۔ ۱۹۶۷ء میں "سلم العلوم، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک جیسی کتب پڑھی ہیں۔ آپ تدریس کے بادشاہ ہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک آپ کا اوڑھنا بچھونا ہی تدریس رہا، اس پیرانہ سالی میں چھ سات گھنٹے آپ کا تدریسی مشغلہ ہے۔ اگر آپ کو وقت مل سکے تو استاذی المکرم سے مل کر کچھ منطق کلام کر کے دیکھ لیں۔

اعتراض:

نبوت بالقوۃ اور بالفعل کا نظریہ غلط ہے، لہٰذا صاحب تحقیقات کا وضاحتی خط بے اثر ہو گیا۔

جواب: بحث عام انسانی صفات کتابت وغیرہ سے نہیں ہو رہی بلکہ بحث نبوت سے ہو رہی ہے۔ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی مطلق نبوت سے بحث نہیں بلکہ جسمانی نبوت سے بحث ہے جس کے چالیس سال تک بالقوہ کا ابطال خود ہی باطل ہے۔ نبوت جمیع انسانوں کو حاصل کرنے کی قوت نہیں ورنہ "الله اعلم حيث يجعل رسالته" کا مطلب ہی باقی نہیں رہے گا۔

اگر مطلق نبوت کی بحث ہوتی تو عظیم معترض صاحب کا ارشاد صحیح ہے کہ نبوت تو نبی کریم ﷺ کو عالم ارواح سے ہی نبوت بالفعل حاصل ہے تو چالیس سال تک بالقوہ ماننے سے نبوت کا زوال لازم آئے گا۔ اگر نبوت سے مراد نبوتِ جسمانی ہے جس سے بحث ہو رہی ہے تو اس کا چالیس سال تک بالقوۃ ہونے کا قول استاذی المکرم کا ہی صحیح ہے۔

راقم کا عقیدہ: وہی ہے جو استاذی المکرم نے پڑھایا و سکھایا ہے وہ ذہن میں راسخ ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نور و حقیقت کی تخلیق اسی وقت ہوئی جب ذاتِ باری تعالیٰ کے بغیر کچھ نہ تھا۔ جب ہی آپ کی تخلیق کر دی گئی تو آپ کو نبوت عطاء کر دی گئی لیکن وہ نبوت صرف علمِ الٰہی تک محدود رہی۔ نہ ہی کوئی اور مخلوق تھی اور نہ ہی آپ کی نبوت کا ظہور ہوا۔ جب ملائکہ اور ارواح کو پیدا کر دیا گیا تو آپ کو نبوت روحانی کا درجہ حاصل ہو گیا آپ ملائکہ اور ارواح انبیاء (مطلقاً ارواح کہہ دیا جائے تو شاید زیادہ بہتر رہے) کے مربی و مبلغ رہے۔ جس سے آپ کو

نبی الارواح، نبی الملائکہ، نبی الانبیاء کا درجہ حاصل ہو گیا۔

نبوت آپ کی ازل سے یعنی آپ کی تخلیق کے وقت سے لے کر ابد تک حاصل ہے نہ اس میں زوال ہے اور نہ ہی نبوت کا کسی وقت انقطاع ہو وہ نبوت دائمی اور مستمر ہے۔

عالم اجسام سے نبوت کا تعلق چالیس سال بعد ہوا تو آپ کو درجہ نبوت جسمانی بھی حاصل ہو گیا۔ پہلے درجہ سے دوسرے درجہ میں فوقیت پائی گئی اور تیسرے درجے میں اور ہی زیادہ فوقیت پائی گئی۔ نبی کریم ﷺ کی شان ہی رب تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی۔ "وللاخرة خير لك من الأولى" اور بیشک آپ کی پچھلی (گھڑی) آنے والی سے بہتر ہے۔

اعتراض: یہی عقیدہ جو تمہیں تمہارے استاذ نے پڑھایا ہے یہ غلط ہے کیونکہ تم نے اور تمہارے استاذ نے تین نبوتیں بنا دی ہیں، حالانکہ نبوت ایک ہے جو عالمِ ارواح سے بھی پہلے آپ کو عطاء ہوئی تا ابد رہے گی تین نبوتوں کا قول ہی سرے سے باطل ہے۔

جواب: بعض اوقات علمی شخصیات بھی کسی کے رد میں اعتدال کا دامن چھوڑ دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات جوشِ قلم سے حقائق بھی مسخ ہو جاتے ہیں۔ جواب بہت سیدھا سادہ ہے کہ جنس کی تین انواع و اقسام سے خود جنسیں تین نہیں ہو جاتیں۔ اور نوع کی اقسام افراد کی طرف ہو تو نوع میں تعدد لازم نہیں آتا۔

نبوتیں تین نہیں بیان کی گئی بلکہ ایک نبوت کے تین حال بیان کئے گئے ہیں۔ نبوت کی ابتداء سے لا انتہاء تک ایک ہی ہے۔ البتہ اس کا ایک حال علمِ الٰہی تک محدود ہے۔ دوسرا حال عالمِ ارواح میں ارواح کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہے۔ اور تیسرا حال عالمِ اجسام میں اجسام کی تبلیغ و تربیت سے متعلق ہے۔

اعتراض: صاحب تحقیقات نے نبوت کے ساتھ تبلیغ کی شرط لگائی ہے حالانکہ عالمِ ارواح سے پہلے آپ کسے تبلیغ کرتے تھے اور عالم اجسام کے اختتام کے بعد آپ کسے تبلیغ کریں گے؟

جواب:

بحث ہی نبوت جسمانی کے متعلق ہے کہ نبوت جسمانی کیلئے اجسام کو تبلیغ کرنا ضروری ہے۔ مطلقاً نبوت کیلئے تبلیغ کو ضروری نہیں قرار دیا گیا۔

اعتراض: عالمِ اجسام میں بھی نبوت کیلئے تبلیغ شرط باطل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا لیکن نبوت بھی باقی ہے اور اجسام بھی باقی ہیں تو اب آپ کی تبلیغ جاری نہیں تو تبلیغ کی شرط بھی درست نہیں۔

جواب: جیسا کہ پچھلے اوراق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد " العلماء ورثۃ الانبیاء " سے استدلال ذکر کیا جا چکا ہے کہ اب تبلیغ علماء کرام آپ کے نائب ہونے کی حیثیت سے کر رہے ہیں تو گویا کہ آپ کی تبلیغ کا سلسلہ تا اختتام اجسام جاری و ساری رہے گا۔

راقم کا مؤقف:

اگر " نبی " نباء سے لیا جائے جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نبی کا ترجمہ نباء سے لیتے ہیں۔ " غیب کی خبر دینے والے " تو اس معنی کے لحاظ سے نبوت و رسالت دونوں میں خبر دینا، پیغام پہنچانا مراد ہو گا۔

اور اگر " نبی " ماخوذ ہو " نبو " سے معنی ہو گا عظمت شان والا۔ اس معنی کے لحاظ پر نبوت کیلئے تبلیغ شرط نہیں اور رسالت کیلئے ضروری ہے۔ پچھلے اوراق میں علامہ شعرانی رحمہ اللہ کا قول دیکھیے۔

اعتراض: تم نے جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ عقیدہ اگر ہم درست تسلیم کر بھی لیں تو یہ عقیدہ تحقیقات میں تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ اس میں تو مطلقاً چالیس سال تک نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا گیا ہے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ تحقیقات میں تمام عقیدہ ایک جگہ ذکر نہیں کیا گیا لیکن مختلف جگہ نبوت کی تقسیم سے عقیدہ واضح ہو رہا ہے۔ جسے آپ نے خود بیان کیا ہے کہ صاحب تحقیقات نے تین نبوتیں بنا دی ہیں یہ سوائے غلط فہمی کے کچھ نہیں۔

نبوت کے تین حال، تین تعلقات کے لحاظ سے تین اقسام کو تین نبوتوں سے تعبیر کرنا اصحاب علم کی شان کے لائق نہیں۔

اعتراض:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روح کو مجرد کہنا باطل ہے، روح تو نبوت کے ساتھ متصف تھا۔ مجرد کب تھا؟

جواب:

اگر من کل شئی مجرد کہا جاتا تو اعتراض بجا تھا۔ مجرد کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لباسِ بشریت سے مجرد تھا نہ کہ ہر چیز سے مجرد تھا۔ جب اسی کے مقابل قسم بدن میں حلول بیان کیا تو اعتراض درست نہیں۔

راقم نے اپنے ارادہ کو تبدیل کر کے اختصار سے کیوں کام لیا؟

جب دیکھا کہ مسئلہ میں حق کی تلاش نہیں بلکہ جنگ وجدال کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ اپنی اپنی علمی برتری کوشش کی جا رہی ہے بلکہ بکواس کئے جا رہے ہیں تو تحقیقات کی مکمل شرح لکھنے سے اجتناب کرتے ہوئے چند غلط فہمیوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ استاذی المکرم کو بھی بطور نمونہ چند عبارات کے تبدیل کرنے کا مشورہ دے دیا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جواب بر جواب کی کیفیت میں اگر میں بھی الجھ گیا تو میں اپنے تفسیری مطالعہ کی شوق کی وجہ سے قرآن پاک کی توضیحات وتشریحات میں جو مشغول ہوں اس میں تعطل آجائے گا۔ ورنہ مخالفین کے جوابات بالتفصیل بھی دیئے جا سکتے تھے۔

فریقین کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے مسئلہ میں اہلِ سنت وجماعت میں اختلاف نظر نہیں آتا جو عقیدہ مجھے استاذی المکرم نے پڑھایا ہے اور میں نے اسے علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں بھی پایا ہے اسے ایک جگہ استاذی المکرم تحقیقات میں قلمبند کر دیں تو اختلاف اگر ختم نہ ہو تو اس کے بعد بھی اگر اختلاف کو جاری رکھنا مقصود ہو کہ اپنی

اپنی علمیت کے جوہر دکھائے جائیں تو اس صورت میں مشورہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف اگر کچھ لکھنا مقصود ہو تو نہ کسی کتاب کا نہ کسی مصنف کا ذکر کیا جائے بلکہ اعتراض و جواب کی صورت میں مسائل کو ذکر کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ اہلِ علم کو کتب کی ورق گردانی کا موقع ملے گا۔ وہ بھی سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ حق راہ کیا ہے۔

فتنہ باز احمقوں سے تو کچھ کہنا ممکن نہیں البتہ سنجیدہ علماء کرام کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ استاذی المکرّم کی تین کتابوں کو یکجا کر کے پڑھیں تو خود بخود استاذی المکرّم کے نظریات سمجھ آجائیں گے۔ تحقیقات کو دیکھ کر آپ کی کتاب "تنویر الابصار" اور "کوثر الخیرات" کو منسوخ سمجھنا اور یہ کہنا کہ صاحب تحقیقات نے اپنے سابقہ نظریات سے انحراف کیا ہے یہ درست نہیں۔ استاذی المکرّم کی خدمت میں ابتدائیہ میں تفصیلی گزارشات پیش کر چکا ہوں۔

تحقیقات میں قلم کے اعتدال کے ہٹنے کی وجہ بہت واضح ہے کہ پیر نصیر الدین گولڑوی رحمہ اللہ سے اختلاف کی وجہ سے تحقیقات میں صرف ایک رخ پر کلام کیا گیا ہے جیسا کہ اب بھی آپ کے مخالفین صرف ایک رخ استعمال کیے ہوئے ہیں۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں رہے کہ مولنا محمد اشرف سیالوی "تنویر الابصار" اور "کوثر الخیرات" میں ہم سے زیادہ نبی کریم ﷺ کی عظمتِ شان کو بیان کر چکے ہیں۔

استاذی المکرّم کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ پیر نصیر الدین گولڑوی رحمہ اللہ وصال پا چکے ہیں۔ ان سے آپ کا مقابلہ پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس مقابلہ میں دونوں نے نقصان اٹھایا ہے۔ پیر صاحب نے بھی جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی اعتدال نہیں تھا ان کی تحریروں سے اغیار نے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ استاذی المکرّم کی تحقیقات میں بھی اعتدال اور مسئلہ کی تکمیل نہیں صرف ایک رخ اختیار کیا گیا ہے۔

میرے خیال میں بہتر حل یہ ہے کہ جو عقیدہ آپ نے مجھے پڑھایا وہ عقیدہ پہلے نقل کر کے ایک ایک شق پر علیحدہ علیحدہ دلائل دیں۔ ساتھ ہی ساتھ جس شق پر بھی بحث کریں اس کی تفصیل میں تنویر الابصار اور کوثر الخیرات کی مکمل عبارات کو مندرج کریں۔

اپنے خلاف لکھی ہوئی کتابوں کے نام لکھ کر یا ان کے مصنفین کے نام لکھ کر رد کرنے کیلئے کمر بستہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ان کی کسی عبارت پر اعتراض ہو تو اسے اعتراض کی شکل میں لکھ کر جواب نقل کر دیں۔

بکواسات والے کتابچوں کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں گندگی میں پتھر مارنے سے چھینٹے آپ پر نہ پڑیں۔

یہ تو آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ ایک علمی شخصیت نے آپ کو قادیانیوں سے آگے لکھ دیا۔ کافی سنجیدہ تحریر میں اعتدال کا دامن اس شخص سے ایسا چھوٹا کہ اس کے متعلق مجھے کوئی الفاظ بھی نہیں مل رہے کہ میں کیا لکھوں۔

بکواس والوں کو چھوڑ کر سنجیدہ لوگوں کے تشدد کو بھی تو دیکھئے کہ ان کو بھی مخالفت کے جوش سے ہوش اڑ جانے کی وجہ سے یہ بھی سمجھ نہ آیا ہزاروں لوگ سیال شریف کے پیران عظام کے مرید ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو "سیالوی" کہلاتے ہیں وہ سیال شریف میں رہتے نہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ مولنا محمد اشرف صاحب سیال شریف سے سرگودھا منتقل ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب وہ "سیالوی" نہیں رہے بلکہ "سرگودھوی" بن چکے ہیں۔ جو دن کو رات کہنے والے ہوں ان سے مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مرتبہ میری گذارشات کے مطابق تحقیقات کو نئے سرے سے ترتیب دیں۔ اپنا مؤقف بیان کر کے خاموش ہو جائیں۔ میری دیرینہ خواہش کی طرف توجہ دیں حدیث شریف کی کتاب بخاری شریف یا کسی اور کتاب پر عربی حاشیہ لکھیں۔ جس میں غیر مقلدین کے اعتراضات کو مندفع کیا جائے۔ معیاری کام اپنی زندگی میں کر جائیں۔ چھوٹے کتابچوں میں نہ الجھیں۔

میں نے پہلے چار پانچ مرتبہ بخاری شریف کا حاشیہ لکھنے کا مطالبہ اسی لئے کیا تھا کہ آپ کی توجہ تخالف سے ہٹ کر ایک عظیم کام کی طرف ہو جائے۔ جب بھی کسی کی مخالفت نام لے کر کی جائے تو اس میں سوائے نقصان حاصل ہونے کے کچھ بھی نہیں۔

فریقین سے پیشگی معذرت:

استاذی المکرم اگر آپ کی طبیعت پر میری تحریر میں سے کچھ ناگوار گزرے تو آپ خدارا معاف فرمائیں میں نے ہمیشہ ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھا میری زندگی کا سورج عصر کے وقت سے آگے نکل چکا ہے اس حال میں مجھے کہیں بے ادب و گستاخ نہ کہہ دینا اسی طرح فریق ثانی کی شان میں کوئی گستاخی کا نقطہ تحریر میں آ گیا ہو تو معاف کر دیں۔

سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کے ارشاد پر بات کو ختم کر رہا ہوں:

آیئے دیکھیے! آپ نے کس خوب انداز سے مصطفیٰ کریم ﷺ کا ادب واحترام سکھایا۔

عوام حضور ﷺ کو صرف بشر نہ کہیں:

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظاہری طور پر بشر ہیں اور باطنی طور پر نور ہیں لیکن عوام جو بشر کے معنی کمال سے بے خبر ہیں وہ لفظ بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ملائیں جو تعظیم پر دلالت کریں اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لئے ذکر آنحضرت ﷺ بطریق تکریم وتعظیم واجب اور ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربیہ عظمت وکمال پایا جاتا ہے یا حقارت میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بہ کمال ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہلِ تحقیق وعرفان کے رسائی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اطلاقِ لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے، خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔" (فتاوی مہریہ ص ۴)

توضیح:

آدم علی نبینا وعلیہ السلام کو بشر کس واسطے کہا گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ آدم علی نبینا وعلیہ

السلام کا شرف مباشرت بالیدین عطا فرمایا گیا ہے:

ما منعك ان تسجد لما خلقت بیدی............ "کس چیز نے تجھے اس (آدم) کو سجدہ کرنے سے منع کیا، جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔" (سورۃ ص ۳۸: ۷۵)

چونکہ ملائکہ کمالِ آدم علیہ السلام سے بے خبر تھے ایسا ہی ابلیس۔ "فقالوا ما قالوا" (انہوں نے وہ کہا جو کہا) فرق اتنا ہے کہ ملائکہ جتلانے کے بعد سمجھ گئے اور معترف بالقصور ہوئے:

قالوا سبحنك لا علم لنا الا ما علمتنا "فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا علم ہے، جتنا تو نے عطا کیا ہے۔" (سورۃ البقرہ ۲: ۳۲)

اور ابلیس کو علاوہ قصورِ جہل کے غرور بھی تھا۔ لہٰذا وہ (ابی واستکبر)۔۔۔۔ شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا۔۔۔ کا مصداق بنا۔

بشر کو کمال انجلاء کے لئے مظہر بنایا گیا اور ملائکہ بوجہ نقصِ مظہریت اس کمال سے محروم ٹھہرے اور مظاہر اور مرایا کمالات انجلائیہ سے از گروہ انبیاء علیہ السلام سیدنا ابو القاسم آنحضرت ﷺ اصالۃً و از جماعت اولیائے کرام وارث۔ مصرع۔

وانی علی قدم النبی بدر الکمال "اور نبی بدرِ کمال کے نقش قدم پر ہوں۔"

سیدنا عبد القادر و امثالہ رضی اللہ عنہم وراثتاً مظہر اکمل و اتم الاسم الاعظم ٹھہرے۔ بشر ہی کے لئے تنزلِ خیر ہونے کے باعث اس قدر اہتمام ہوا کہ ہیئت و ترکیبات اسمائیہ و اتصالات و اوضاع "انی خمرت طینة آدم" سے لے کر ظہورِ جسدِ عنصر ﷺ و اتباع من الاکمل کو متوجہ کیا گیا ہے اور خدام بنائے گئے تا کہ............ "من رانی فقد رای الحق" جس نے میرا دیدار کیا اس نے خدائے تعالیٰ کا دیدار کیا۔۔۔ کا آئینہ و چہرہ علی وجہ الکمال اور پورا حق نما ہو۔ قصہ مختصر بشر ہی ہے کہ جس کو............

گر خواہی خدا بینی در چہرہ من بنگر
من آئینہ اویم او نیست جدا از من

(اگر تو خدا کو دیکھنا چاہتا ہے تو میرے چہرہ کو دیکھ میں اس کا آئینہ ہوں وہ مجھ سے جدا نہیں ہے)............ ہونے اور کہنے کا استحاق حاصل ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ عارف کو بشر کہنا از قبیل ذکرِ آنحضرت ﷺ بالاسماء المعظمہ ہوا۔ بخلاف غیر عارف کے اس کے لئے بغیر انضمام کلمات تعظیم صرف لفظِ بشر ذکر کرنا جائز نہیں چنانچہ آیتِ کریمہ میں بشر کے بعد (یوحی الیّ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔اور تشہد میں "عبدہ" کے بعد "ورسولہ" کا ذکر ہے اور کلام اہلِ عرفان میں ہے:

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر وانہ خیر خلق اللہ کلھم (قصیدہ بردہ)

ہمارا نہایت علم یہ ہے کہ بیشک حضور ﷺ بشر ہیں اور بے شک اللہ تعالی کی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔(فتاوی مہریہ ص۴)

خلاصہ کلام:

حضرت کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اہل علم جو بشر کا معنی اور اس میں جو کمالات پائے جاتے ہیں انہیں جانتے ہیں وہ تو بشر کہہ سکتے ہیں لیکن عام لوگوں کو بشر کے ساتھ اور الفاظ بھی ذکر کرنے چاہیں تاکہ انہیں بھی آپ کی عظمت کا پتہ ہو مثلاً سید الکائنات، افضل الانبیاء، حبیب خدا وغیرہ الفاظ ساتھ ملائے جائیں۔

حقیقت میں بشر میں وہ کمال ہے جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہوا کیونکہ رب تعالی نے اپنی ذات وصفات اور اسماء کا مظہر صرف بشر کو ہی بنایا ہے۔اس کمال سے فرشتے محروم ہیں، پھر یہ وصفِ کمال تمام انبیائے کرام اور نبی کریم ﷺ کو بغیر کسی واسطہ کے عطاء ہوا لیکن اولیائے کرام کو آپ کے واسطہ سے یہ کمال عطا کیا گیا۔ پھر اولیائے کرام میں جلیل القدر ہستیوں یعنی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس قسم کے اولیائے کرام کو بالواسطہ یہ کمال اعلیٰ درجہ کا حاصل ہوا۔

دوسرے حضرات کو کچھ کم انبیائے کرام کو بعض بعض صفات اور بعض بعض اسماء گرامی کا مظہر بنایا گیا۔لیکن نبی کریم ﷺ رب تعالی کی آٹھ صفات مخصہ کے بغیر تمام صفات کے مظہر ہیں۔

جب یہ بات کسی کی سمجھ میں آجائے کہ بشر اس شان والے عظیم شخص کو کہا جاتا ہے اور اس کمال میں حضور ﷺ کا کوئی ثانی نہیں وہ تو سمجھ سکتا ہے کہ بشر آپ کا عظیم وصف ہے لیکن عام انسان تو بشر کا معنی یہی سمجھے گا (معاذ اللہ) آپ بھی ہماری طرح تھے ایسا سمجھنا دین سے دور ہونے کا نام ہے اور ایسے شخص کو لفظ "بشر" کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے (راقم)۔

دعاء یہی ہے:

اے رب کریم! علماء اہلِ سنت کو اختلاف وانتشار سے بچا۔ ایسا کام کرنے کی توفیق عطاء فرما۔ جس سے اہلِ سنت میں اتفاق واتحاد پیدا ہو سکے۔ ایسے کام سے بچا جو اہلسنت میں افتراق وانتشار پیدا کرے۔

علماءِ اہلِ سنت! کبھی آپ نے غور کیا کہ آپ کے افتراق کی وجہ سے کتنا نقصان ہو چکا ہے۔ آپ سے کچھ کہنا تو شائد نفع مند نہ ہو لیکن رب ذوالجلال سے دعاء ہے کہ اے مالک کائنات بجاہ النبی الکریم اہلِ سنت پر اپنا کرم فرما۔ انہیں توفیق عطاء فرما کہ ایک ہو جائیں۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے کے نقصان کو سمجھتے ہوئے متفق ومتحد ہو جائیں۔

صلی اللہ علی النبی الکریم

عبدالرزاق بھترالوی، عطاروی خادم العلماء والاساتذہ

بالخصوص استاذی المکرم مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی

18 جولائی 2012

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا ان گنت مرتبہ شکر ہے کہ راقم نے اپنا رسالہ "ارفع الدرجات" ترتیب دیا تو اس میں استاذی المکرّم مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کے عقائد و نظریات آپ کی کتب سے اخذ کر کے "الیواقیت والجواہر" کی عبارات کی مطابقت ثابت کی لیکن راقم نے بالمشافہ استاذی المکرّم سے اس مسئلہ میں گفتگو نہیں کی تھی۔ البتہ آپ سے تین سال پڑھتے ہوئے آپ کے عقائد و نظریات اور عقائدِ صحیحہ پر پختگی سے واقف ہونے کی وجہ سے تشریح تحقیقات میں جو ذکر کیا' اسی کے مطابق مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ذریعے رئیس المدرسین محقق و مدقق' مفتی علامہ علی احمد سندیلوی مدظلہ العالی کا ایک فتویٰ ملا' جس میں آپ نے استاذی المکرّم سے بالمشافہ ملاقات پر آپ کے نظریات معلوم کر کے آپ کے عقائد کو بیان کیا۔ اور دوسری مرتبہ تحقیقات کے مرتبہ ہونے پر آپ کی تقریظ کو بھی دیکھا (جو میری نظر سے پہلے نہیں گذری تھی) تو رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ابھی منصفین' حق گو بھی موجود ہیں۔ امید ہے کہ زیرک علمائے کرام اور عوام کو حق بات سمجھنے کو موقع ملے گا۔ جن کا کام ہی فتنہ بازی ہے ان کی زبانوں کو شاید بند کرنا تو مشکل ہے لیکن حق کے متلاشی حضرات کو ان شاء اللہ اطمینانِ قلب حاصل ہوگا۔ خاص کر کے راقم کا اندازِ تحریر آسان ہے جس سے طلباء کرام اور عوام بھی سمجھیں گے۔

استاذی المکرّم کو جو مشورہ عرض کیا ہے کہ کتاب میں وضاحت ہو' ابہام نہ ہو' کوئی عبارت ثقیل نہ ہو اس سے مزید راہ اعتدال حاصل ہونے سے اہل سنت و جماعت کے اتحاد

واتفاق کو امداد حاصل ہوگی۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ "نبوتِ جسمانی" کی غلط ترجمانی کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا جارہا ہے کہ نبوتِ جسمانی کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جسم کو نبوت حاصل تھی اور روحانی کا مطلب یہ ہے نبی کریم ﷺ کی روح کو نبوت حاصل تھی' یہ تعریف ہی غلط ہے۔ نبوت روحانی کا مطلب عالمِ ارواح میں آپ کا ملائکہ وارواح انبیاء کا مربی ومبلغ ہونا ہے اور نبوتِ جسمانی کا مطلب عالم اجسام میں اجسام یعنی انسانوں کو تبلیغ کرنا مراد ہے۔

چند کتب استاذی المکرم کے عقیدے ونظریے کے خلاف لکھی ہوئی دیکھیں' سب میں حقائق کو مسخ کیا گیا ہے۔ راہِ حق کے تلاش نہیں بلکہ فتنہ وفساد برپا کرنا ہے۔

رسالہ کو چھاپنے کے لئے بھیجنے سے دو تین دن پہلے حضرت مفتی علی احمد سندیلوی مدظلہ العالی کا فتوی ملا تو ارادہ ہوا کہ اسے بھی اپنے رسالہ میں شامل کرلیا جائے۔

الاستفتاء

بسم الرحمٰن الرحیم
بخدمت اقدس حضرت علامہ استاذ العلماء مصلح اہل سنت شیخ القرآن والحدیث
مفتی علی احمد سندیلوی دامت برکاتہم القدسیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

احقر نے ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ 5 اپریل 2012 بروز جمعرات آپ سے مؤدبانہ گذارش کی تھی کہ چند سال سے حضرت استاذ شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم اور دیگر علمائے اہلِ سنت دامت برکاتہم کے مابین اختلاف چلا آرہا ہے اور یہ اختلاف روز بروز شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اب تو مناظرے اور "جشن فتح مبارک" بھی منائے جارہے ہیں۔ دونوں طرف ہمارے اساتذہ ہیں۔ اہلِ سنت کا شیرازہ بکھرتا جارہا ہے۔ بدمذہب اس سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ ہمارا مذاق اڑارہے ہیں۔

حضرت سیالوی صاحب اوران کی کتاب "تحقیقات" موضوعِ سخن ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "حضرت سیالوی صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدائش سے لے کر چالیس سال تک نبی نہیں مانتے اور سلب نبوت کے قائل ہیں"۔ (اس عرصہ میں آپ صرف ولی مانتے ہیں نبی نہیں مانتے)۔

آپ کی "تحقیقات" پر تقریظ بھی ہے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے آپ لکھنے میں جلد بازی نہیں کرتے بلکہ سوچ سمجھ کر بڑے غور وفکر گہرے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں۔ نہ اندھا دھند کسی کی

1۔ مذاہب الاسلام محمد نجم الغنی ص 84 رضا پبلی کیشنز لاہور بحوالہ فتاوی عزیزی

تائید کرتے ہیں اور نہ تردید۔ جب بھی آپ سے اس سلسلہ میں کوئی بات ہوتی ہے تو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور طلباء کو بھی ہدایت کرتے ہیں:

''سب اکابر کی عزت کرو' استادوں کا احترام کرو خواہ کسی ادارے کے ہوں اور ان مسائل میں نہ الجھو بلکہ اپنی تعلیم پر توجہ دو کیونکہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔''

آپ کی تقریظ میں اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ اور جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دل سے چاہتے ہیں یہ نزاع ختم ہو جائے اور طرفین کی عزت محفوظ رہے اور اہلِ سنت کا شیرازہ بھی نہ بکھرے مگر اس تقریظ کے بعد آپ نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ آپ نے کسی فریق کی حمایت کی نہ ہی تردید۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کی طبیعت میں اعتدال' نیت میں خلوص اور اصلاحِ اہلِ سنت کی تڑپ بھی ہے۔ آپ کو حضرت محدثِ اعظم پاکستان استاذ الاساتذۃ ابو الفضل محمد سردار احمد فیصل آبادی، شیخ القرآن ابو الحقائق علامہ عبد الغفور ہزاروی' ملک العلماء استاذ الاساتذۃ علامہ عطاء محمد بندیالوی' امام المحدثین ابو البرکات سید احمد لاہوری جیسے اکابر کی شاگردی اور صحبت کا شرف بھی حاصل ہے۔

امید ہے آپ اس مسئلہ کے حل کی کوئی صورت نکال لیں گے اگر آپ کی کوشش سے اہل سنت و جماعت متحد ہونے میں کامیاب ہو گئے تو اہلِ سنت پر بڑا احسان ہوگا بصورت دیگر بھی انشاء اللہ عند اللہ ماجور ہونگے۔

امید ہے آپ میری گذارش کو شرف قبولیت سے نوازیں گے۔ ''بینوا و توجروا''

السائل

ذوالفقار احمد

خادم شعبہ تجوید وقرأت

دار العلوم جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

7-4-2012

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ و اصحابہ و ازواجہ اجمعین اما بعد!

ذوالمجد والکرم حضرت مولانا قاری ذوالفقار احمد مدظلہ العالی۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسئلہ عطائے نبوت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں علمائے کرام کے مابین اختلاف اصولی اور بنیادی نہیں محض "نزاعِ لفظی" ہے۔ علمی اختلاف قومی زندگی و بیداری کی دلیل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں تہذیب وآداب کے حدود نظر انداز نہ ہونے دیئے جائیں مگر جب کوئی فریق دوسرے کو گالی گلوچ، تنقیص وتضحیک کا نشانہ بنانے لگے تو "اختلاف امتی رحمۃ" سے نکل کر "فساد فی الارض" کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور خلاف بن جاتا ہے، جو عقلمندوں اور محققین کے نزدیک انتہائی مذموم ہے۔

اہلِ سنت وجماعت کو اس وقتی اختلاف سے مایوس اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ انشاء اللہ عنقریب یہ اختلاف ختم ہو جائے گا سب شیر وشکر اور متحد ومتفق ہو کر ایک دوسرے سے پہلے کی طرح مودّت ومحبت کا اظہار کریں گے۔ حضرت سراج الہند امام المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ نے علمائے اہلِ سنت وجماعت کو دو چیزیں عطا کی ہیں: ایک ذہن رسا کہ بسبب اس کے بات کی کنہ کو پہنچ جاتے ہیں اور الفاظ پر نہیں اٹکتے۔ دوسرے انصاف اور قلتِ حسد کہ اس کی وجہ سے ہر ایک کے کلام کو بھلائی پر حمل کرتے ہیں اور حتی المقدور تضلیل وتکفیر نہیں کرتے۔ 1

حضرت افضل الاذکیا اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہ کی مسلکِ

اہلِ سنت کے لیے بڑی خدمات ہیں۔ وہ ہمارے اکابر میں سے ہیں اور حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔ عطاءِ نبوتِ مصطفیٰ ﷺ کے بارے ان کا وہی عقیدہ ہے جو اکابر اہلِ سنت کا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے چلا آرہا ہے۔

ان کی کتب "تحقیقات وتنویر الابصار" وغیرہ کے مطالعہ اور خطابات سن کر اور ان سے بالمشافہ گفتگو سے فقیر یہ سمجھا ہے کہ حضرت افضل الاذکیا علامہ محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہ عالمِ ارواح میں حضور سرورِ کونین ﷺ کو بالفعل نبی تسلیم کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

> ”آپ کی روحِ مبارک عالمِ ارواح میں ارواحِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرشتوں کی تربیت کرتی تھی اور آپ کی عالمِ ارواح والی نبوت دائمی ہے ابدالآباد تک باقی رہے گی ختم اور سلب نہیں ہوئی' البتہ عالمِ ارواح کے احکام اوامر ونواہی عالمِ اجساد میں لاگو نہیں ہوتے۔ محبوب کریم ﷺ کو دوسرا مرتبہ و درجۂ نبوت چالیس سال بعد ملا۔ پیدائش سے چالیس سال تک آپ ﷺ عنداللہ نبی تھے اور عندالناس ولی تھے۔“

حضرت اشرف العلماء ائمہ اہلِ سنت حضرت امام سبکی' حضرت امام علامہ ابراہیم کورانی' حضرت امام سلیمان جمل' حضرت امام شیخ احمد بن محمد ناصر سلاوی' حضرت امام عارف قشاشی' حضرت امام نورالدین علی بن زین الدین الشہیر بابن الجزار اور فقیر کے شیخ الشیخ عاشقِ رسول ﷺ علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل النبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی اتباع میں رسول اللہ ﷺ کی دو نبوتوں اور دو رسالتوں کے قائل ہیں! ایک نبوت ورسالت عالمِ ارواح کی دوسری نبوت ورسالت عالم اجساد کی اور یہ ہمارے آقا و مولا ﷺ کی خصوصیت ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (تحقیقات طبع اول ص ۹۰ تا ۱۰۰، طبع دوم ص ۱۴۵ تا ۱۵۶)

پہلا مغالطہ: سرمایہ اہلِ سنت' علماء کرام کو مغالطہ لگا کہ اشرف العلماء عالمِ ارواح والی نبوت کے سلب کے قائل ہیں اور یہ صحیح نہیں۔ فقیر نے جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام سرگودھا میں حضرت سیالوی صاحب سے ملاقات کے دوران عرض کیا: آپ سے اختلاف رکھنے

والے علماء کرام فرماتے ہیں: آپ عالمِ ارواح والی نبوت کے سلب کے قائل ہیں جبکہ میں نے آپ کی کتب کے مطالعے اور آپ کے خطابات سے یہ سمجھا ہے کہ آپ سلب نبوت کے قائل نہیں؟ حضرت نے جواباً فرمایا:

"آپ نے صحیح سمجھا میں سلب نبوت کا قائل نہیں ہوں۔"

میرے ہمراہ حضرت شیخ الحدیث مفتی غلام محمد شرقپوری دامت برکاتہم بھی تھے۔ انہوں نے فرمایا: عالمِ ارواح کی نبوت سلب نہیں ہوئی؟ حضرت نے پھر فرمایا: سلب نہیں ہوئی۔

حضرت شیخ نے اپنی کتاب "تحقیقات" میں کہیں بھی سلب نبوت کا قول نہیں کیا بلکہ "تحقیقات" میں جواہر البحار علامہ یوسف النبہانی کے حوالے سے علامہ سلیمان جمل کا یہ قول نقل کیا ہے:

"دوسری جسمانی نبوت چالیس سال کی عمر میں تسلیم فرمائی اور پہلی روحانی (عالم ارواح والی) نبوت کو بھی دائم باقی اور مستمر تسلیم کیا ہے اس کے سلب ہو جانے کا شائبہ بھی نہیں"۔ (تحقیقات طبع ثانی ص 148)

دوسرا مغالطہ: علماء کرام کو اشرف العلماء کی اس تحریر سے ہوا: "پیدائش سے چالیس سال تک ولی تھے نبی نہیں تھے" انہوں نے ولی سے امتی ولی سمجھ لیا اس میں کوئی شک نہیں ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے مگر اس کی ولایت امتی کی ولایت جیسی نہیں ہوتی۔ امتی ولی کی ولایت غیر معصوم ہوتی ہے جبکہ نبی کی ولایت اس کی نبوت کی طرح معصوم ہوتی ہے۔ اس لیے نبی کی ولایت کو ولی کی ولایت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور بہت بڑی زیادتی ہے۔

اشرف العلماء کی تحریر میں "ولی تھے نبی نہیں تھے" کا ایک مطلب یہ ہے کہ مخصوص زمانہ پیدائش سے چالیس سال تک مخصوص لوگوں یعنی مکہ والوں کے نزدیک نبی نہیں تھے ولی تھے یہ صحیح ہے کیونکہ مکہ مکرمہ والے لوگ آپ کو ولی مانتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو صادق الامین کہتے تھے ولایت کی یہ ہی دو بڑی صفتیں ہیں، البتہ نبی نہیں مانتے تھے اور نہ ہی اس وقت آپ ﷺ نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔ اگر کہیں اس وقت آپ لوگوں کے نزدیک نبی تھے ولی نہیں تھے تو صراحۃً

جھوٹ ہے۔ اسی لیے کتب علم العقائد میں لکھا ہے ''عند اللہ نبی و عند الناس ولی'' اس میں کوئی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔

علماء کرام کی خصوصی توجہ کے لئے:

عام طور پر ''بالفعل اور بالقوۃ'' سے ذہن اصطلاح فلاسفہ کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ بالقوۃ میں موصوف میں صفت سے متصف ہونے کی صرف استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے اتصاف نہیں ہوتا۔ بالعموم بالقوۃ کے یہی معنی ذکر کیے جاتے ہیں' جب کہ فلاسفہ کے نزدیک بھی بالقوۃ کی دو قسمیں ہیں:

قسم اول بالقوۃ کا مطلب ہے کسی شخص میں فن سیکھنے اور اس سے متصف ہونے کی استعداد و صلاحیت ہو مگر فن جانتا نہ ہو۔ جیسے کسی نے لکھنا نہیں سیکھا اسے کہیں گے (فلان کاتب بالقوۃ)۔

دوسری قسم کہ اس نے فن کتابت سیکھا ہے لیکن بالفعل لکھ نہیں رہا' سویا ہے یا کھانا تناول کر رہا ہے۔ اس کو بھی کاتب بالقوۃ کہتے ہیں۔ چنانچہ امام راغب لکھتے ہیں:

"والقوۃ التی تستعمل للتهیؤ اکثر من یستعملها الفلاسفة و یقولون انها علی قسمین أحدهما : أن یقال لما کان موجودا ولکن لیس یستعمل فیقال فلان کاتب بالقوة ای معه المعرفة بالکتابة لکنه لیس یستعمل والثانی : یقال فلان کاتب بالقوة ولیس یعنی به ان معه العلم بالکتابة ولکن معناه بمکنه أن یتعلم الکتابة"[1]

اس فرق کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اہلِ علم حضرات بہت سی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ بالفعل کا مطلب ہے فی الحال موجودہ حالت میں جس وقت کوئی کام کر رہا ہو تو کہتے ہیں بالفعل فلاں یہ کام کر رہا ہے۔ اس تفصیل کو معلوم کرنے کے بعد اہل علم کے لئے اس مسئلہ کو سمجھنا مشکل نہیں۔

1۔ المفردات فی غریب القرآن للامام راغب ص416

خلاصۂ بحث:

فریقین میں بنیادی واصولی اختلاف نہیں، نزاع لفظی ہے۔ دونوں فریق عالمِ ارواح والی نبوت کو عالمِ ارواح سے لیکر ابدالآباد تک دائمی اور مستمر مانتے ہیں۔ ایک آن کے لیے بھی اس کے سلب کے قائل نہیں۔ دوسرے علمائے کرام حضور علیہ السلام کی نبوت کے ایک درجہ اور مرتبہ کے قائل ہیں۔ اشرف العلماء دو درجوں کے قائل ہیں۔ دوسرا درجہ پہلے کی نسبت عام ہے۔ گویا دوسرے علمائے کرام نے اجمال کو ملحوظ رکھا جبکہ اشرف العلماء نے تفصیل کو مدنظر رکھا۔ اعتبارات مختلف ہوں تو حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ عالمِ ارواح کی نبوت کا اعتبار کر کے کہہ سکتے ہیں آپ پیدائشی نبی تھے۔ عالم اجساد کا اعتبار کر کے کہہ سکتے ہیں کہ چالیس سال بعد نبوت ملی۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تعارض وتضاد نہیں۔

آپ ﷺ کی نبوت کے متعدد درجات ومراتب ماننے میں آپ ﷺ کی توقیر وعظمت کا اظہار زیادہ ہے اور ہمارے لیے آپ ﷺ کی عزت وعظمت بیان کرنے کے بے شمار دروازے کھلتے ہیں۔ بہت سے سوالات کے جوابات آجاتے ہیں۔ نصوصِ قرآنی، احادیثِ مشہورہ ومتواترہ اور خبرِ احاد اور مسلمات تاریخ میں تعارض وتضاد نہیں رہتا۔ مسائل کی اقسام متعین کر کے حکم لگانے میں آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً مسئلہ زیرِ بحث میں پہلے درجے کے منکر کو دائرۂ اسلام سے خارج، کافر، گستاخِ رسول ﷺ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ دوسرے درجہ کا منکر کافر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

حضرت زینت المحدثین پیر محمد چشتی پشاوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

> "نہ صرف عالمِ مہد سے نبوت کا عقیدہ رکھنا اور اس کی تبلیغ کرنا محض ظنی ہے بلکہ اس حوالے سے فریقین کی طرف سے اٹھائے جانے والے مسائل میں ایک بھی قطعی نہیں ہے تو پھر عالمِ مہد سے نبوت تسلیم نہ کرنے والوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کہنے اور انہیں منکر نبوت ہونے جیسے خطرناک الزام دینے جیسے عمل کی اسلام میں کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟؟"[1]

1۔ ماہنامہ آوازِ حق پشاور مئی 2011ء ص 15 کالم نمبر 2

آپس میں اختلاف ختم کرنے کا پہلا طریقہ:

اس میں کوئی شک نہیں ہم میں سے کوئی معصوم اور محفوظ عن الخطاء نہیں، غلطی کا امکان ہر وقت ہر ایک سے ہے۔ آپس میں اختلاف ختم کرنے کا بہترین، عمدہ اور آسان طریقہ یہ ہے۔ اگر کسی بزرگ عالم دین کی کسی تحریر میں کوئی ایسی عبارت آجائے جس سے مخالف غلط فائدہ اٹھا سکتا ہو تو اس بزرگ عالمِ دین کے ہم مرتبہ ایک یا زیادہ علماء اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے مرتبہ ومقام کا پاس رکھتے ہوئے مؤدبانہ درخواست کریں کہ "اس عبارت کو حذف کر دیں" یا "تبدیل کر دیں" جیسا کہ حضرت محدث ومحقق علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہ کی چند عبارات پر علمائے اہلسنت کو اعتراض تھا۔ ان کی خدمت میں حضرت شرف ملت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد اہلِ سنت حضرت غلام محمد سیالوی دامت برکاتہ، حضرت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری دامت برکاتہم حضرت سعیدی صاحب کے ہم مرتبہ عالم دین افضل الاذکیاء اشرف العلماء محمد اشرف سیالوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں حضرت سعیدی صاحب سے مل کر پہلے ان کی تعلیمی، تدریسی اور تحقیقی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا، پھر انکی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ان عبارات پر علماء اہلِ سنت کو اطمینان نہیں۔ آپ ازراہِ کرم ان کو حذف یا تبدیل کر دیں۔ انہوں نے شرح صدر سے انکی بات سنی اور بعض عبارات کو حذف اور بعض کو تبدیل کر دیا وہ مسئلہ جو ڈنڈے کے زور پر سال ہا سال سے حل نہیں ہوا تھا، اپنائیت کے رنگ میں چند منٹ میں حل ہو گیا۔

دوسرا طریقہ "مناظرہ":

اگرچہ پہلے طریقہ کی طرح یہ آسان نہیں تاہم یہ طریقہ بھی مفید اور بڑا اچھا ہے بشرطیکہ مناظرہ ہو جس میں متخاصمین کی غرض اظہارِ حق وصواب ہوتا ہے، مجادلہ نہیں ہوتا۔ جس میں الزامِ خصم کی نیت ہوتی ہے اور نہ ہی مکابرہ ہو جس میں نہ اظہارِ صواب غرض ہوتی ہے اور نہ مدِ مقابل کو

1۔ جامع العلوم امام محمد بن عمر فخر الدین رازی، ص 148 مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور

لاجواب کرنا ہوتا ہے بلکہ صرف سینہ زوری اور خواہ مخواہ اپنے علم کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

آج کل مناظرہ کے نام پر جو عام طریقہ رائج ہے وہ مجادلہ ہوتا ہے۔ جو نہایت برا اور گھٹیا طریقہ ہے کہ فریق مقابل کی نسبت عموماً لعن وطعن اور سب وشتم کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور سیدھی سی بات بھی نہایت سخت کلامی اور درشتی کے لہجے میں کی جاتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخالف کو بجائے اسکے کہ ہدایت ہو عداوت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت امام المحدثین عمر فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مناظرہ کے دس آداب لکھے ہیں:

۱۔ بات اتنی مختصر نہ ہو جس سے مطلب بھی واضح نہ ہو سکے۔

۲۔ گفتگو اس قدر طویل نہ ہو جس سے اکتاہٹ پیدا ہو جائے۔

۳۔ نامانوس اور غیر مستعمل الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرے۔

۴۔ دورانِ مناظرہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جو ذُومعنی ہوں۔

۵۔ مدِ مقابل کی بات پر اعتراض' جواب کیلئے اسے دہرائے تو اس طرح کہ خوبصورت الفاظ میں اس کا خلاصہ بیان ہو جائے۔

۶۔ جو باتیں موضوع سے متعلق نہ ہوں انہیں زیرِ بحث نہ لائے ورنہ بات پھیل جائے گی اور ایک مجلس میں ختم نہ ہو سکے گی۔

۷۔ مقابل کی بات پوری طرح سمجھے بغیر جواب دینے کی کوشش نہ کرے۔ اگر شروع میں مقابل کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وضاحت کرائی جائے کیونکہ دس بار پوچھ لینے سے ناسمجھی بات میں سر مارنا زیادہ عیب دار ہے۔

۸۔ بحث ومناظرہ میں حوصلے' وقار اور عقل سے کام لے بلاوجہ غالب آجانے کی کوشش نہ کرے۔ اسی طرح غصہ کرنے' ہنسنے اور مقابل کو رنج پہنچانے سے پوری طرح اجتناب کرے یہ طرزِ عمل ایسے جاہل لوگ اختیار کرتے ہیں جو علم میں مقابلہ تو کر نہیں سکتے البتہ اپنی جہالت کو چھپانے کی خاطر اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔

۹۔ اپنے سے زیادہ صاحبِ وقار اور بارعب شخص سے بحث ومباحثہ نہ کرے۔ اس طرح دل

میں غیر شعوری خوف کی وجہ سے دلائل و براہین کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور انسان صحیح مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

۱۰۔ اپنے مقابل کو کبھی بھی حقیر اور معمولی نہ سمجھے کیونکہ اس گمان میں اس سے کمزور بات نکل جائے گی جو بالآخر اس کی سکی کا باعث بنے گی۔

ان کے علاوہ جو قرآن وسنت اور دیگر کتب مناظرہ میں آداب ذکر کیے گئے ہیں ان کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

مناظرہ کا تیسرا طریقہ جو بہت عمدہ ہے:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا محدث بریلی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا، لکھتے ہیں:

''از فقیر بارگاہ قادری احمد رضا غفرلہ بجناب فضائلِ انتساب فواضلِ اکتساب ذی اللطف والجاہ مولی شاہ ابوالذکا محمد سلامت اللہ۔ بعد اہدائے ہدیہ سنت ملتمس مسئلہ شرعیہ فرعیہ میں اختلاف عند الانصاف مانع ائتلاف نہیں اندیشہ ہے کہ طول تحریرات طبع جناب پر زیادہ باعث حجاب اور معاذ اللہ مفضی بانقطاع واجتناب ہو لہذا باکمال خلوص گذارش ہے کہ فقیر کدہ پر تشریف لے آئیں کسی ہجوم وچپقلش کا اندیشہ نہ فرمائیں، جناب کا صَرف آمدورفت ذمہ فقیر ہوگا۔ والا عظیم البرکت رفیع الدرجت سلالۂ دودمان عالیشان حضرت جناب مولانا سید شاہ خواجہ احمد میاں صاحب دامت برکاتہم اور جناب مستطاب اسد السنہ سد الفتنہ کنز الکرامتہ جبل الاستقامۃ جناب مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی دامت فیوضاتہم دونوں حضرات علماء کرام وعظماء اسلام اور میرے اور آپ دونوں کے احباب عظام ہیں۔'' وللہ الحمد '' ان دونوں کے مواجہ میں مکالمہ ہو یہ خاص دوستانہ مکالمہ بحول اللہ تعالیٰ: '' انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم '' کے امتثال حکم سے میرے اور آپ کے لئے اجر عظیم لائے۔ میں بعونہ تعالیٰ پاسِ خاطر جناب کو چند امور کا التزام کرتا ہوں:

۱۔ کتابوں سے آپ کی اعانت کروں گا بلکہ جو بات نکالنا چاہیں، اگر فرمائیں تو اس کے

استخراج میں تاامکان مدد دونگا۔

۲۔ صبح آٹھ بجے سے دس بجے تک مکالمہ ہوا کرے گا کہ ٹھنڈا وقت ہے اور میں بھی اگر کسی دن طبع گرامی تخفیف چاہے، تو فوراً فرمادیجئے۔ بقیہ دوسرے دن پر اٹھا رہے گا۔

۳۔ مدت مکالمہ میں ہم چار شخصوں کے سوا دو ایک ناخواندہ خادم مولانا جناب اور ہر دو حضرات موصوفین کی خدمت اور ثانیاً مجھ فقیر کے کاموں کے لئے رہیں گے۔ یا فقیر زادہ مولوی مصطفیٰ رضا خان سلمہ کتابیں لاکر دینے کے لئے جو آپ یا میں طلب کروں۔ باقی کوئی شخص اتنی دیر تک نہ آنے پائے گا کہ شرم مجمع کسی فریق کو باعث خودداری یا ہجوم غوغہ موجب پریشان ذہن نہ ہو۔

۴۔ بقیہ وقت مجالست نماز و طعام و دوستانہ کلام و اذکار خیر و مذاکراتِ علمیہ میں اس طرح گذرے گا کہ اس میں میری طرف سے بحث دائر کا کوئی تذکرہ نہ چھڑے گا کہ صحبت دوستانہ منغض نہ ہو۔

اور چند باتیں چاہتا ہوں کہ آغازِ مکالمہ سے پہلے میں اور آپ دونوں باتفاق ان پر عہد و پیمان واثق کر کے اللہ و رسول جل و علی وصلی اللہ علیہ وسلم، پھر ان دونوں حضرات کی شہادت سے مہر و دستخط کر دیں۔ اس کا ایک ایک پرچہ ہر وقت پیش نظر رہنے کو ہم دونوں اور حضرتین موصوفین کے پاس رہے۔ "فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه الله فسیؤتیه اجرا عظیما"

۱۔ سچی ایمانداری کے ساتھ محض انکشاف حق مقصود ہوگا' نہ ہار جیت۔

۲۔ ایک فریق کی جو بات اپنی نظر میں صحیح ثابت ہو جائے' اس کے ماننے میں کچھ تامل نہ ہوگا پھر اگر وہ اصل بحث کا فیصلہ ہے تو مکالمہ اسی پر طے ہو کر فریقین اتفاق کر لیں گے۔ ورنہ اتنی بات کی صحت پر فوراً دستخط کر کے فریق کو دے دئے جائیں گے۔ فریق اس پر دوستانہ شکر کرے گا' نہ کہ اجنبیانہ فخر۔

۳۔ مکالمہ زبان قلم سے ہوگا یا جو کچھ کہا جائے گا لکھ کر ہر فریق دوسرے کو دے دیگا' بلکہ پہلے

لکھ کر سنائے گا اور سپرد فریق کر دے گا کہ اگر خدا نا خواستہ طے نہ ہوا تو اہلِ علم کو پورے کلام فریقین پر نظر کا موقع ہے۔

۴۔ جب ایک طرف باذنہٖ تعالیٰ ثابت ہو جائے۔ فریقین نہایت کشادہ پیشانی سے اس پر مہر دو ستخط کر کے بالاتفاق اسے چھاپ کر شائع کر دیں گے اور آپس میں دوستانہ معانقہ پر اس مبارک مجلس کا خاتمہ کر دیں گے۔ (وباللہ التوفیق)

ان شرائط اربع میں اگر کوئی فریق کسی وقت کسی شرط سے تجاوز کرے وہ دونوں حضرات دامت فیوضہما بالاتفاق اسے اتباعِ شرط پر مجبور فرمائیں گے۔ اگر نہ مانے تو دونوں حضرات بلا رو رعایت پوری صورتِ واقعہ تحریر فرما کر اپنے مہر و دستخط سے اس کے مکابرہ و ناانصافی کی شہادت ادا فرمائیں گے۔ اس پر بحث کا ختم ہو جانا یا آگے چلنا حسبِ تفصیل شرط دوم ہوگا۔ یہ فقط احتیاطاً معروض ہے۔ ورنہ مکالمہ بعجلت وانصاف وحق طلبی میں انشاء اللہ القدیر اس کی حاجت ہی نہ ہوگی۔ 1

ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا (الانفال)

واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد الضعیف

علی احمد سندیلوی غفر اللہ لہ

خویدم العلم الشریف الجامعۃ الجویریہ مرکز معارف اولیاء داتا گنج بخش رحمۃ اللہ لاہور

وخویدم مرکز تدریب الافتاء والبحوث ۱۵۰ راوی روڈ نزد پیر مکی لاہور

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۶ اپریل ۲۰۱۲ء

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر چھ بجے

1۔ کلیات مکاتیب رضا ملخصاً ج1 ص 273 تا 275 مکتبہ نبویہ لاہور ۱۴۲۶ھ ۲۰۰۵ء

اغلاط نامہ مع تصحیح

غلط	صحیح	صفحہ	لائن	غلط	صحیح	صفحہ	لائن
اعتراض	اعترض	9	20	حضرت	حضرات	44	21
بالسنخف	بالسخف	10	3	اسطفا	اسطفاہ	44	21
مسجدنکال	مسجد سے نکال	13	7	کھلا	کھولا	45	9
اسی	اس	13	7	اس کا معنی	اس معنی	45	20
کوئی میرے	کہ میرے	13	17	اللہ کو میں	اللہ کا محبوب	47	9
جائل .	جاہل	19	5	رہی	رہیں	49	14
کام بھی نہیں	کام نہیں	16	10	ہیں	رہیں	50	20
اکے	کے	19	5	فرامائی	فرمائی	51	11
لائنے	لانے	23	9	تھی بچشم	تھی یا بچشم	51	20
نبیا آدم	نبیا وآدم	24	4	مبارکہ ذکر	مبارکہ سے ذکر	52	2
لازم نہ تھا	لازم تھا	24	10	اس کو	اس کا	56	12
سواہ	سوا	30	9	کونے	کونا	56	12
کوجواب	کا جواب	31	16	جگہ کو چھوڑ	جگہ چھوڑ	57	17
خدمت آ	خدمت میں آ	34	7	بلسجود	بالسجود	59	12
(افضیوں	رافضیوں	35	3	چھوڑو	چھوڑ	60	20
برالتحذیر	والتحذیر	36	3	فی الآت	فی الآیات	72	7
لاکافرون	الکافرون	39	12	مکمال	لکمال	72	19
ولاے	والے	40	4	وری	روی	74	3
نہیں داخل	میں داخل	44	2	ولارض	والارض	74	10
وقدوا	وفدوا	44	10	دوزح	دوزخ	74	10
خلیل ا	خلہلا	44	18	المرنۃ	المعرفۃ	74	21

غلط	صحیح	صفحہ	لائن	غلط	صحیح	صفحہ	لائن
القدم	تقدم	77	9	وقتپانی	وقت پانی	107	9
مجرتبہ	مرتبہ	78	8	سبادۃ	سیادۃ	107	19
ہیں	میں	82	16	وردحا	و روحا	108	10
فرمائیں	فرماہیں	82	16	خوف	لاخوف	111	12
قدسی	قدس	85	6	الالویۃ	الولایۃ	112	3
ثانیہک ا	ثانیہ کا	86	2	اس دیکھیے	اسے دیکھیے	112	17
عالیا	علیا	88	14	رکھتا	رکھتا ہے	112	10
صفاتجمع	صفات جمع	90	11	یقینیا	یقینا	113	10
میں ان	میں نے ان	93	3	ورزم مقسوم	ورزق مقسوم	113	21
ہونے کو	ہونے کا	94	6	حاصل ہیں	حاصل نہیں	115	4
یاسے	یا اسے	94	9	رضی اللھعنہ	رضی اللہ عنہ	115	14
فاقروا	فاقرءوا	96	9	ویکفیۃ	ویکفیہ	116	16
ارشادہ	ارشاد	96	9	ولایتچار	ولایت چار	116	20
عرش پانی	عرش پانی پر	96	19	تابعدار	تابعداری	119	22
میرعرش	میرا عرش	97	13	دعت	دعوت	124	17
ای شی ء	علی ای شی ء	97	11	نبیہونے	نبی ہونے	125	13
دیوی بندی	دیوبندی	101	3	جھوٹے	چھوٹے	126	5
کسک ا	کس کا	102	21	فرامائی	فرمائی	128	18
حضرت	حضرات	104	6	بودرعالم	بوددرعالم	134	13
السنخ	النسخ	106	1	الانبیالیعلموا	الانبیاء لیعلموا	135	15
زوال	لازوال	106	12	سرہ	سر	135	19
علمدیا	علم دیا	107	6	پاک	ایک	136	1

غلط	صحیح	صفحہ	لائن	غلط	صحیح	صفحہ	لائن
تعالیکما	تعالی کما	137	2	س	اس	161	15
اپنےعینی	اپنے عینی	137	20	ما ابیک	مال ابیک	174	11
محوخراب	محوخواب	151	3	تعودا	قعودا	175	18
البخاریو	البخاری و	151	4	کیعبادت	کی عبادت	175	19
کئی	کی	150	3	جومیں	میں جو	176	13
بنایا	بتایا	168	19	ثوبیہ	ثوبیہ	179	4
پہنچا	.پہنچنا	170	18	آکی	آپ کی	196	18
کرنے	کرنا	171	18	اقسام افراد	تقسیم افراد	197	13
خاک پھنکنے	خاک پھینکنے	158	1	بکواس اس	بکواس کئے	199	11
پرھاتے	پڑھاتے	159	12	نقطہ	لفظ	202	5
اتعلیم	تعلیم	151	15	کو	کا	206	11
یادآنے	یادآنا	159	20	کے	کی	207	8
غوروحوض	غوروخوض	160	13	رب تعالیٰ فضل	رب تعالیٰ کے	9	7

(صفحہ 115.114 کی تصحیح شدہ عبارت)

کیا یہ جملہ گستاخانہ ہے یا کہ اس کا صحیح مطلب بھی ہے۔ "یاغوث اعظم" کی رٹ لگانے والے بغیر سوچے سمجھے کہیں آپ کو کافر اور گستاخ انبیاء کہہ کر اپنے ایمان کا جنازہ نہ نکال لینا۔ آیئے غور کیجئے! اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ انبیاء کرام کی خدمت میں یوں عرض کر رہے ہیں کہ اے انبیاء کرام! تمہیں نبوت بھی عطاء کی گئی اور منصب ولایت کے ذریعے تمہیں رب تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے۔ یہ منصب ہمارے جیسے اولیاء کو حاصل نہیں۔ یقیناً آپ کو آپ کے منصب کے مطابق القاب حاصل ہیں۔ ہمیں جب آپ سے پست مقام حاصل ہے تو ہمیں جو القاب حاصل ہیں وہ بھی پست ہیں وہ پست القاب تو تمہیں حاصل نہیں، تمہیں تو بلند القاب حاصل ہیں"۔

قابلِ مطالع

مکتبہ اما

کری روڈ، راولپنڈی

کتابیں

احمد رضا

CELL:0321-5098312